ڈاکٹر سید ظفر محمود کے
شائع شدہ اردو مضامین

Published Urdu Articles of
Dr Syed Zafar Mahmood

2016

Published in 10 Mar-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

ائمہ مساجد: روحانی جمہوریت کے علمبردار

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

مالیر کوٹلہ میں 4 روز قبل ائمہ مساجد کا ایک عظیم جلسہ زیر اہتمام جامعہ سید ابو الحسن علی ندوی منعقد ہوا جس میں مولانا کلیم صدیقی اور مفتی اعظم فضیل الرحمٰن عثمانی کی ہم نشینی کا اس احقر کو بھی موقع ملا' عنوان تھا ائمہ مساجد کے حقوق و فرائض۔ شکایت جائز ہے کہ اکثر ائمہ کو مشاہرہ ملنے کا کوئی معقول نظم نہیں ہوتا ہے' ان کے ساتھ سلوک بھی کبھی کبھی ان کے شایان شان نہیں ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس معاملہ میں دراصل ملت کو اپنے سماج کی بڑی تصویر کو سامنے رکھنا ہوگا۔ ہمارے ملک میں انگلستان کا ویسٹ منسٹر سسٹم (Westminster Sysytem) رائج ہے جہاں عوام کے نمائندے ہوتے ہیں ممبر پارلیمنٹ' ایم ایل اے' کارپوریٹر وغیرہ' اور ان نمائندوں کی تنخواہ عوام سے لیے گئے ٹیکس کی رقم میں سے دی جاتی ہے' ٹیکس نہ دینے پر سود و جرمانہ دینا ہوتا ہے اور مقدمہ کی بنیاد پر قید بھی ہوسکتی ہے۔ اسلام نے اس سے بہتر جمہوریت کا روحانی نظام 14 صدی قبل ہی قائم کردیا تھا جہاں انسانی بستیوں کی نشاندہی مساجد کی جائے وقوع کے ذریعہ ہوتی ہے اور مقامی مسجد کا امام مسجد کے چاروں طرف کے حلقہ میں رہائش پذیر لوگوں کا نمائندہ اور گروپ لیڈر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس روحانی جمہوریت کی نوک پلک کو گہرائی سے سمجھنا ہوگا۔ امامِ مسجد کے وجود' ہستی اور اس کی کارکردگی پر جو مصارف ہوں اس کی دینی ذمہ داری مسجد کے اطراف علاقہ کے باشندگان کی ہے۔ ان کے ذریعہ اس ذمہ داری کو پر کرنا کسی پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ فرض کی ادائیگی ہے اور اس فرض کو بہت خوبصورتی سے نبھانے میں مزید ثواب ہے' اس فریضہ سے منہ موڑنا اللہ کو ناپسند ہے۔ اس فریضہ کو مسلمانوں کو اسی طرح پورا کرنا چاہئے جس طرح وہ اپنے اہل خانہ کے لئے کرتے ہیں۔ یہاں ہمیں عیسائیوں سے سبق لینے کی بہت گنجائش ہے' وہاں تو چرچ کی بنچوں کی پشت پر پاکٹ میں ہر ہفتہ ایک چھوٹا سا لفافہ رکھا ہوتا ہے اور ہر عبادت گزار وہاں بیٹھا ہوا خاموشی سے اس لفافہ میں اپنی مرضی کی رقم رکھ دیتا ہے۔

جمعہ کو جو عربی خطبہ دیا جاتا ہے ہمارے ملک میں زیادہ تر لوگ اس میں دئے ہوئے پیغام کو نہیں سمجھتے ہیں۔ جبکہ عربی کا خطبہ عموماً سورہ نحل کی جس آیت (16.90) پر ختم ہوتا ہے اس کے بارے میں مفسرین کا کہنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بجائے پورا قرآن نازل کرنے کے اسی آیت پر اکتفا کرتے تو بھی ان کا پیغام مکمل ہوتا۔ قرآن کریم سے اس لاعلمی کی وجہ سے پشت در پشت ملت کی صحیح تربیت نہ ہونے کا جو زبردست نقصان ہو رہا ہے اس کا اندازہ لگانا بھی آسان کام نہیں ہے۔ سورہ نحل کی ان آیت میں اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا اور قرابت داروں سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی کے کاموں' ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم خود تم کو یہ نصیحت کررہے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ خطبہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کے دستوری حقوق سے بھی آگاہ کرواتے رہنا ضروری ہے۔ انھیں بتانا چاہئے کہ مردم شماری 2011 کے مطابق ملک میں مسلم آبادی 14.2% ہے اور تمام اقلیتوں میں سے ہم 73% ہیں۔ عموماً تقریباً 30% ووٹ پڑنے پر مرکز و صوبوں میں حکومت بن جاتی ہے۔ غور کریں کہ اگر ہم سورہ آل عمران کی آیت 103 پر عمل کرتے ہوئے سب مل کر اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لیں اور تفرقہ میں نہ پڑیں تو ہماری مرضی کے بغیر کہیں سرکار بن ہی نہیں سکتی۔ مغربی بنگال میں تو اسمبلی کی 53 نشستیں ایسی ہیں جہاں مسلم آبادی 40%-88% ہے' 23 سیٹوں میں مسلمان 30%-39% ہیں' 38 سیٹوں میں مسلمان 20%-29% ہیں۔ لہٰذا 114 اسمبلی سیٹوں پر یا تو مسلمان نمائندہ ہی جیتنا چاہئے یا پھر مسلمانوں کی پسند کا نمائندہ۔

اس سے بھی زیادہ آسام میں مضبوط حالت ہے۔ اس کے علاوہ یو پی میں بھی 19% مسلمان ہیں۔ کلیم صدیقی صاحب نے جلسہ میں فرمایا کہ ائمہ صاحبان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقتدیوں کو ان کے ووٹ کی اہمیت اور اجتماعیت کا استعمال کرکے اپنا ووٹ تقسیم نہ ہونے دینے کی حکمت عملی سے باخبر کروائیں اور اس طرح ایوان حکمرانی میں ملت کی نمائندگی بڑھے گی اور اس کی پسند کے نمائندے منتخب ہوسکیں گے۔ ہماری زندگی کا کوئی لمحہ بھی دین کے احکامات سے خالی نہیں ہے اور ہمارے دین میں دنیا سے سنیاس لینے کا بھی کوئی تصور نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ الیکشن میں ووٹ دینے کو ہم اپنا دینی فریضہ سمجھیں اور اہتمام کریں کہ ملت کا ووٹ 100% پڑے۔ الیکشن کے دن کے لئے اندرون ملت اسی طرح پہلے سے پلاننگ و انتظامات ہونے چاہئیں جس طرح عید کے لئے کیئے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں ووٹ اس قدر اہم آلہ ہے لیکن ہم اس کا استعمال خاطر خواہ طریقہ سے نہیں کرتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو ملک میں ملت کو جس طرح حاشیہ پر ڈال رکھا گیا ہے وہ تصویر مسلمانوں کے حق میں بدل سکتی ہے۔ اس کام میں ائمہ حضرات کا کلیدی رول ہے۔ انھیں اس سے متعلق علم حاصل کرکے اور جھجک کو بالائے طاق رکھ کر اس ایشو پر اپنے ہفتہ وار خطبات میں ملت کو گائڈ کرنا چاہئے۔

دستور ہند کے دیباچہ میں ہی درج ہے کہ ملک کے قیام کا اولین مقصد ہے آپس میں بھائی چارے کو فروغ دینا اور آرٹیکل 51A(e) میں ہر فرد کی یہ آئینی ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ وہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے گروپوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے اور اگر ان دستوری احکامات کی کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم اس کے خلاف قانونی کاروائی کریں اور اس کے خلاف دستور ہند کے دائرہ میں رہتے ہوئے آواز بلند کریں۔

دستور ہند کے دیباچہ میں ہی درج ہے کہ ملک کے قیام کا اولین مقصد ہے آپس میں بھائی چارے کو فروغ دینا اور آرٹیکل 51A(e) میں ہر فرد کی یہ آئینی ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ وہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے گروپوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے اور اگر ان دستوری احکامات کی کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم اس کے خلاف قانونی کاروائی کریں اور اس کے خلاف دستور ہند کے دائرہ میں رہتے ہوئے آواز بلند کریں۔ حال ہی میں لاتور میں مسلمان پولیس اہلکار کے ساتھ ظلم و زیادتی' ریل گاڑی میں مسلم جوڑے کے ساتھ بدسلوکی اور پھر آگرہ میں نفرت پیدا کرنے والی تقاریر اس کی تازہ مثالیں ہیں۔ آگرہ کے واقعہ کے خلاف سپریم کورٹ میں دستور کے آرٹیکل 32 کے تحت ایک مدلل درخواست ملک کے 18 اشخاص نے داخل کردی ہے جن میں احقر کے علاوہ سپریم کورٹ و ہائی کورٹوں کے 4 سابق جج' پولیس کے 2 سابق ڈائریکٹر جنرل' سینئر وکیل' سائنٹسٹ' بزنس مین' پادری' سفارت کار' صحافی' آرکیٹکٹ وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرز پر ایک درخواست دستور کے آرٹیکل 78(c) کے تحت انھی لوگوں کے ذریعہ صدر جمہوریہ کے سپرد بھی کردی گئی ہے۔ اللہ بھلا کرے سید شفاعت علی' زبیر گوپلانی اور زبیر احمد صاحبان و ان کے رفقاء کا جنھوں نے اپنے اپنے صوبہ میں مقامی سطح پر ایف آئی آر درج کروانے کی چارہ جوئی شروع کردی ہے۔ ظلم کو خاموشی سے برداشت کرنے سے ظلم کو بڑھاوا ملتا ہے، اسی لئے ہماری شریعت کے مطابق ایسے شخص کو کسی حد تک اس ظلم میں شریک مانا جاتا ہے' امام صاحبان کو یہ نکتہ ملت کو سمجھانا چاہئے۔

مسجد نبوی قیام اول سے ہی سماج کا مرکز تھی' تعلیمی ادارہ تھی اور عدالت بھی تھی۔ ادھر دستور ہند کے دیباچہ میں ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ملکی سماج اشتراکیت کی بنیاد (Socialist pattern of society) پر گامزن رہے گا۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آرٹیکل 15(4&5) میں سماجی و تعلیمی طور پر پچھڑے لوگوں کو اٹھا کر اوپر لانے کے لئے مخصوص قانون و پالیسیاں بنائی جائیں گی۔ آرٹیکل 16(4) میں درج ہے کہ اگر حکومت کی رائے میں ملک کے باشندوں کے کسی پچھڑے ہوئے طبقہ کی سرکاری نوکریوں میں نمائندگی ملکی آبادی میں اس طبقہ کی نمائندگی سے کم ہے تو اس طبقہ کے حق میں سرکاری ملازمتوں اور عہدوں میں سے مناسب ریزرویشن کردیا جائے۔ آرٹیکل 46 کے مطابق آبادی کے کمزور حصوں کے تعلیمی و اقتصادی مفادات کو خصوصی طور پر فروغ دینا حکومت کا فریضہ ہے اور حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں کو سماجی ناانصافی اور استحصال سے محفوظ رکھے۔ وزیر اعظم ہند کی قائم کردہ سچر کمیٹی نے مستند اعداد و شمار کی بنیاد پر دستاویز تیار کرکے بتادیا کہ مسلمان اقتصادی' تعلیمی اور سماجی طور پر باقی سب سے بہت پیچھے ہیں اور سچر رپورٹ کو گزشتہ 10 برس میں اعداد و شمار کی بنیاد پر کوئی چیلنج بھی نہیں کرسکا۔ لہٰذا یہ طے ہوگیا کہ دستور ہند کے مندرجہ بالا دفعات کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کا ریزرویشن ہونا چاہئے' ملک کے صوبوں کیرالہ' کرناٹک اور تلنگانہ میں یہ ریزرویشن کئی برس سے چل بھی رہا ہے۔ مسلمانوں کے لئے مخصوص اسکیموں کی تشکیل اور ان کا نفاذ بھی دستور کے دفعات کے عین مطابق ہے۔ یہ باریک نکات بھی مقتدی صاحبان کے ذریعہ عوام تک پہنچانا ائمہ کی دینی ذمہ داری ہے اور ان کو تلقین کرنا کہ ملت کا ہر فرد اپنی انفرادی تگ و دو کے ذریعہ دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کرسکتا ہے۔

Published in 26 May-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA

حجاز میں مسلم نشاۃ ثانیہ کی گونج

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

> **حجاز میں مقیم حیدرآباداور بھٹکل کی مختلف انجمنوں نے محمد سعیدالدین اور سیادت علی خاں کے زیر قیادت علیحدہ میٹنگوں میں گفت و شنید کے دوران ہمارے ملک عزیز میں ملت کی نشاۃ ثانیہ کی غرض سے ضروری نکات پر سوالات کر کے سمجھ لیا کہ ملک میں ملت کو بااختیار کرنے میں ہی ملت کو تکالیف سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔**

انسانی زندگی حالانکہ ایک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے لیکن وہ اپنی قوت تسخیر سے آشکارا ہے یعنی اس کی پہچان یہی ہے کہ وہ حالات پر قابو پا کر ان پر فتح حاصل کرسکتی ہے اور ایک مرد نجیب کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ کی صفات میں سے اپنا حصہ لے لے۔ ہم سمجھداری کے ساتھ تگ و دو کے ذریعہ اپنی تقدیر اور اپنے ہاتھ کی لکیریں بدل سکتے ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں: تو اگر دیگر شوی او دیگر است' یعنی تم اگر اپنے کو بدل لو تو وہی تمہاری نئی تقدیر بن جاتی ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ ہم ساحل پر مدھم نغموں کے مابین آرام کرنا چھوڑ کر بحر کی موجوں سے لپٹ جائیں' اسی میں حیات جاودانی ہے۔ سمندر سب کے لئے ایک جیسا ہے' کچھ لوگ اس میں سے موتی نکال لاتے ہیں' کچھ مچھلی پکڑ لاتے ہیں اور کچھ بھیگے پیر لے کر واپس نکل آتے ہیں' جتنی کوشش کی جائے گی اتنا ہی ملے گا۔ ہمیں اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی حاصل کرنا ہو گا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے حالات کی دستاویزی عکاسی سچر کمیٹی کے ذریعہ کی جا چکی ہے۔ ہم خوب جان گئے ہیں کہ ملک میں ہماری بری حالت کی وجہ ہے حکمرانی میں ہماری نمائندگی کا فقدان۔ (مکہ انڈین فورم کی راقم کی تقریر کا اقتباس)

سیاسی نمائندگی تو ملی غفلت کی وجہ سے بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے' ملک میں ہماری آبادی 14.2% ہے لیکن 1952 کی پہلی لوک سبھا سے 2014 کی موجودہ لوک سبھا تک کسی بھی لوک سبھا میں ہمارے اراکین کی اوسط تعداد 25 سے کم رہی ہے (حالانکہ ایک دفعہ بڑھ کے 44 اور ایک دفعہ گھٹ کر 18 بھی ہوئی ہے)۔ سچر کمیٹی نے بتایا کہ اس کمی کی خاص وجہ یہ ہے کہ جن انتخابی حلقوں میں مسلمانوں کا فیصد بہت زیادہ ہے، انھیں شیڈولڈ کاسٹ کے لئے ریزرو کردیا گیا ہے۔ اس کے لئے زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا میں ایک حد بندی سیل تین برس سے کام کررہا ہے' الحمدللہ اعداد شمار تیار ہیں' ان پر کارروائی جلد کی جائے گی۔ ساتھ ہی ہم اپنے کو یہ بھی سمجھا سکتے ہیں کہ چلو ملک کی حکمرانی میں سیاستدانوں کا رول تو 10-5 فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ نئے بل کا مسودہ افسر شاہی تیار کرتی ہے' ایوان میں وزیر کی تقریر کے لئے نکتے بھی وہی بتاتی ہے' پالیسیوں کا خاکہ وہی بناتی ہے' نوٹیفکیشن وہی ایشو کرتی ہے' انکا نفاذ وہی کرتی ہے' نفاذ کی مانٹرنگ وہی کرتی ہے' کمیشنوں کی رپورٹ پر عمل ہو کہ نہیں یہ بھی وہی طے کرتی ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا اہم ہے کہ لوک سبھا' صوبائی اسمبلیوں اور میونسپل کارپوریشنوں کے کون سے انتخابی حلقے شیڈولڈ کاسٹ کے لئے ریزرو ہوں گے۔ یہ کام بھی افسر شاہی ہی کرتی ہے لیکن افسر شاہی میں جس کے پاس ملک کی حکمرانی کا 90 فیصد سے زیادہ حصہ ہے، وہاں تو اپنی حصہ داری میں اضافہ کر لینا ہمارے لئے بہت مشکل کام نہیں ہے۔ سول سروس کی تقرری میں تحریری امتحان کا حصہ 85 فیصد اور انٹرویو کا صرف 15 فیصد ہے۔ پھر بھی آزادی کے بعد سے اب تک 4 دفعہ مسلمان امیدوار کی پورے ملک میں سول سروس میں پہلی پوزیشن آئی ہے' دوسری' چھٹی' اٹھارہویں' بائیسویں وغیرہ تو خوب خوب آئی ہیں۔ ان سب میں امیدواروں کے ذریعہ صرف محنت سے حاصل کی ہوئی قابلیت کا ہی رول ہے لیکن جتنا دانہ ڈالو گے اتنی ہی تو پیداوار ہوگی۔

اپنے اقیام مکہ معظمہ کے دوران جبل النور گیا، جس پر غار حرا میں حضور اقدسؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی' جبل الثور گیا جس پر غار الثور میں نبی اکرمؐ اپنے رفیق خاص حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ اسلامی تدبیر کی مثال قائم کرتے ہوئے اندر جا کر قیام پذیر ہو گئے تھے اور دشمن جب ان کی تاک میں آئے تو اللہ کے حکم سے داخلہ کی جگہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تاکہ لگے کہ اندر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور دشمن ناکام رہے اور نبی کریمؐ نے مدینہ منورہ پہنچ کر مملکت نو قائم کر دی۔ اسی تدبیر کا استعمال کرتے ہوئے ہم میں سے ہر اچھے ہندوستانی مسلمان کو خاموشی سے اپنے رفقا کے ہمراہ تدبیر کر کے طلبا و طالبات کو راغب کرنا ہوگا کہ سول سروس کے امتحان میں محنت و جفاکشی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں' پھر اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ ہمیں اپنی دنیا خود پیدا کرنی ہوگی کیونکہ ہم واقف ہیں کہ کُن فیکونیت یقیناً اللہ کی صفت ہے لیکن کیونکہ اس نے اپنی روح ہمارے اندر پھونک رکھی ہے لہٰذا ہمارا دھرم ہے کہ ہم اس صفت کو بھی اپنے اندر حتیٰ الامکان جذب کرنے کی کوشش کریں۔

ہمارے بچوں کو یو پی ایس سی ویسا ہی دِکھنا چاہئے جیسے ارجن کو چڑیا کی آنکھ دِکھتی تھی۔ جدہ میں ہندوستانی اسکول کے پرنسپل سید مسعود احمد نے اس کام میں سنجیدگی سے دلچسپی دکھائی ہے اور اسکول کے رفیق خاص عقیل جمیل صاحب و ان کی اہلیہ نے ذمہ داری لی ہے کہ وہ اسکول کے سینئر طلبا کے ذریعہ سول سروسز کی تیاری کی مانیٹرنگ میں پرنسپل صاحب کی مدد کریں گے۔ آیئے ہم سر سید کی 1883 کی محمڈن سول سروسز فنڈ ایسوسی ایشن کی روح کی بازیابی کریں' اس کے 500 ممبروں میں سے ہر فرد 2 روپے سالانہ دیتا تھا، جس رقم سے 15 امیدواروں کو ہر سال آئی سی ایس کا امتحان دینے کے لئے لندن بھیجا جاتا تھا۔ جدہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق طلبہ کی انجمن نے ملت کے حقوق کی استواری کے لئے سول سروسز میں ہمارے بچوں کی شمولیت کی اہمیت کو بھانپ لیا ہے اور انھوں نے اس کام کو فروغ دینے کو اپنی ترجیح بنا لیا ہے۔ وطن میں طلبہ کی تیاری میں حصہ لینے کے لئے انھوں نے لائحہ عمل تیار کرلیا ہے۔ حجاز میں مقیم حیدرآباد اور بھٹکل کی مختلف انجمنوں نے محمد سعیدالدین اور سیادت علی خاں کے زیر قیادت علیحدہ میٹنگوں میں گفت و شنید کے دوران ہمارے ملک عزیز میں ملت کی نشاۃ ثانیہ کی غرض سے ضروری نکات پر سوالات کر کے سمجھ لیا کہ ملک میں ملت کو بااختیار کرنے میں ہی ملت کو تکالیف سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ وہ لوگ ہندوستان کے اپنے اپنے علاقہ کے طلبا کو اس طرف مائل کریں گے اور ان کی کفالت بھی کریں گے۔ دو روز قبل زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کے ذیلی ادارہ سر سید کوچنگ اینڈ گائڈنس سنٹر فار سول سروسز کے تحت کیرالہ کے ملاپورم میں بھی 2017 کے سول سروسز پری لیمزی کے لئے سالانہ ٹسٹ ہو گیا اور نئے امیدواروں کا انتخاب ہو گیا۔ یہ ٹسٹ کشمیر میں پہلے ہی ہو چکا ہے' اب 28 مئی کو کلکتہ میں اور یکم جون کو دہلی میں ٹسٹ ہونا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ زیڈ ایف آئی کا ایپ (App) بھی تیار ہو کر آن لائن ہو گیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت 2.148 کے مطابق مفہوم: ہمیں اچھے کام کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ بقول اقبال' عشق الٰہی کی اصل ذکر الٰہی ہے اور عقل کی اصل فکر' اعمال و تدبیر ہیں۔ خدا کرے ہماری نسلیں ان دونوں یعنی ذکر اور فکر کی میراثوں کی وارث بن جائیں۔

□❖□

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA
Published in 11 May 2016 | Print Edition of Roznama Sahara

سول سروس: ابتدائی تیاری کا بیجاپور ماڈل

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

سری نگر میں گزشتہ روز ہم لوگوں نے 2017 میں ہونے والے سول سروسز پری لمز (Civil Services Prelims 2017) کی کوچنگ کے لئے امیدواروں کے ٹیسٹ کا سلیکشن کیا۔ آن لائن درخواست دئے جانے کا سلسلہ عرصہ سے چل رہا ہے۔ اگلے امتحانات 21 مئی کو ملاپورم کالی کٹ میں 28 مئی کو کولکاتا میں اور یکم جون کو پورے شمالی ہند کے لئے دہلی میں ہوں گے۔ آن لائن درخواستیں zakatindia.org پر ہر روز ہر وقت موصول ہو رہی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دائرے میں طلبا تک بات پہنچے تو اور بہتر ہوگا۔ خوش آئند امر یہ ہے کہ کشمیر میں ماشاء اللہ کوئی بھی امیدوار ایسا نہیں ملا جس کو انگریزی زبان پر مہارت نہ ہو اور زیادہ تر کو سوالات کے خوب تر جوابات بھی معلوم تھے۔ ابھی چند ماہ قبل امریکہ میں مقیم بیجاپور (کرناٹک) کے باشندہ قاضی ریاض اکبر صاحب کا فون آیا فرمایا کہ انھوں نے تقریباً 15 برس پہلے واشنگٹن میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق طلبا کے کسی جلسے میں ہمارا پاور پوائنٹ پریزنٹیشن دیکھا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح سول سروسز میں بہتر نمائندگی سے ہی ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق حاصل ہو سکتے ہیں اور میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ گریجویٹ و پوسٹ گریجویٹ طلبا تو فوری تیاری میں لگ جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نویں سے بارہویں جماعت کے بچوں کو بھی اسی وقت سے سول سروسز کی طرف مائل کرنے اور ابھی سے انھیں روز 2 گھنٹے اس کی تیاری میں لگانے کے لئے معقول اور دور رس حکمت عملی ملت کی طرف سے کی جانی چاہئے۔ اکبر صاحب نے فرمایا کہ اس وقت وہ امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے لیکن تبھی انھوں نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ جب وہ اس لائق ہوں گے تو اس کے لئے باقاعدہ عملی کارروائی کریں گے۔

لہٰذا اب بیجاپور میں انھوں نے انتظام مکمل کر لیا ہے۔ وہاں رحمٰن فاؤنڈیشن کے تحت بیجاپور سول سروس اکیڈمی قائم ہو گئی ہے اور اسی سال سے وہاں اس کام کے لئے ایسے قابل ترین بچوں کی نشاندہی کی جانی تھی جنھوں نے امسال دسویں جماعت پاس کی ہے جس کے لئے انھوں نے اکیڈمی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر خالد حکیم کو میرے پاس دہلی بھیجا۔ انھوں نے تقریباً 5 گھنٹوں کے دوران اپنے تیار کردہ سوالات پر مجھ سے تبادلہ خیال کیا۔ بیجاپور واپس جا کر اپنے رفقاء کے ہمراہ طویل مدتی اسٹریٹیجی کے لئے بچوں کا انتخاب کرنے سے پہلے ان لوگوں نے اور دیگر والنٹیئرز (Volunteers) نے اسکولوں کے دورے کئے، اساتذہ کی مدد سے بچوں کی نشاندہی کی، ان کے والدین سے ملے، بچوں کے انٹرویو کئے اور اس طرح 15 بچوں کی نشاندہی کا کام مکمل کر لیا۔ ان بچوں کا داخلہ بیجاپور کے بہترین کالج میں کروایا جا رہا ہے جہاں وہ صوبہ کرناٹک کے نصاب کے مطابق پلس ٹو Plus Two کی تعلیم حاصل کریں گے۔ ان بچوں کو یکم جون سے ایک ساتھ الگ ہاسٹل میں معقول وارڈن کی نگرانی میں رکھا جا رہا ہے جس کے لئے بیجاپور میں ہاسٹل کی عمارت لمبی لیز پر لے لی گئی ہے اور اسے تمام ضروریات سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ یہ بچے روز کالج جائیں گے شام کو کھیلیں گے بھی لیکن ہاسٹل میں پڑھائی اور ہوم ورک کے علاوہ روز 2 گھنٹے لگا کر مستقبل کے سول سروس امتحان کی تیاری کے لئے 3 اضافی کام کریں گے۔ این سی ای آر ٹی کی سائنس، حساب، انگریزی اور سماجیات کی نویں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں جماعتوں کی 16 کتابیں (NCERT class 9th to 12th books of Science, Maths, English and Social Studies) ہر بچے کو دی جائیں گی اور وارڈن اور ڈائرکٹر بھی اپنے پاس ایک ایک سیٹ رکھیں گے۔ ان 16 کتابوں کی پڑھائی ان بچوں کو اگلے 5 برس میں کرنی ہے۔ اگر ایک کتاب کا ایک سبق (Lesson) بچے تین روز تک ایک ایک گھنٹہ پڑھیں گے اور اس پر وارڈن یا ڈائرکٹر کی موجودگی میں بچوں کا تبادلہ خیال ہو جائے گا اور اس پر بچے اپنے رجسٹر میں نوٹس (Notes) تیار کریں گے تو پوری عمر کے لئے وہ مضمون ان کے ذہن کے دریچوں میں جذب ہو جائے گا۔

سلطنت عثمانیہ کے صدیوں کے شاندار دور اقتدار کے پیچھے راز تھا کہ بادشاہ کے محل میں ہی ایک مخصوص اکیڈمی قائم تھی جس کا نام تھا اندرون اکیڈمی' اس میں سلطنت کے قابل ترین نوجوان بچوں کو رکھ کر انھیں 5 برس کی کوچنگ دی جاتی تھی اور پھر انھیں سلطنت میں مختلف مقامات میں سرکاری عہدوں پر فائز کر دیا جاتا تھا۔ ملت کو مبارک ہو کہ بیجاپور سول سروسز اکیڈمی کی شکل میں ہمارے عزیز ملک ہندوستان میں حکومت کے عہدوں پر فائز ہونے کے لئے قابل ترین بچوں کا پہلا انتخاب ہو گیا ہے اور اب یہ سلسلہ ان شاء اللہ چلتا ہی رہے گا۔

اس کے علاوہ سول سروس امتحان کے لئے معلومات عامہ (General Studies) کی ایک ایک کتاب ٹی ایم ایچ یا پیئرسن (TMH or Pearson) کی ہر بچے کو مہیا کی جا رہی ہے۔ اس کتاب میں سے ہر بچہ ہر دن تھوڑا سا پڑھ کر یاد کر لے گا۔ مثلاً دنیا کے تمام ممالک اور ہندوستان کے تمام صوبوں کے دار الحکومت کا نام، دنیا و ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں اور ان کے حرف تحریر (Script) کے نام وغیرہ۔ اس کتاب کے A تا Z کو بھی 5 برس کے وقفہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ تیسرے اضافی کام کے لئے ہاسٹل میں روزنامہ ہندو کی 16 کاپیاں روز منگائی جائیں گی اس کے علاوہ ایک کاپی ڈائرکٹر کے گھر پر بھی آتی ہے۔ یہ سب لوگ روز اس کا بڑے انہماک سے مطالعہ کریں گے۔

ہر بچے کو ایک ایک آکسفرڈ یا کیمبرج کی بڑی ڈکشنری اور ایک ایک موٹا سا مضبوط رجسٹر دیا جائے گا جس میں بچہ خود پہلے سے ہی ہر پیج پر نمبر ڈال دے گا۔ شروع کے 10 پیج فہرست مضامین (Index) کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اخبار میں روز جو سنجیدہ مطالعہ ہوگا اس سے متعلق نوٹس (Notes) اس رجسٹر میں ہر بچہ لکھے گا اور اس تحریر کا فہرست مضامین میں اندراج بھی کرے گا۔ اس رجسٹر میں موجود مواد کی بنیاد پر بچے ہر پندرہ روز پر کسی ایک متعلقہ عنوان پر ایک مضمون بھی لکھیں گے۔ ایک الگ رجسٹر میں روز پڑھے جانے والے نئے انگریزی الفاظ کے معنی ڈکشنری میں دیکھ کر لکھے جائیں گے معنی کے ساتھ اس لفظ کی تاریخ اور اس کے نشوونما (Etymology) کا بھی اندراج کیا جائے گا۔ اس طرح حاصل شدہ علم کی روشنی میں ہر ماہ مقابلہ بھی ہوا کرے گا جس میں جیتنے والے بچے کو انعام سے نوازا جائے گا۔ ہاسٹل میں وارڈن کی نگرانی میں ٹی وی، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا بھی انتظام ہوگا۔ یہ بچے اپنا پلس ٹو Plus Two پاس کریں گے پھر گریجویشن کریں گے اور پھر یہ سول سروس کے امتحان میں حصہ لیں گے جس سے ایک سال قبل انھیں کسی سول سروس انسٹی ٹیوٹ میں کوچنگ بھی کرائی جا سکتی ہے۔ اس طرح 5 برس کی طویل تیاری کے بعد ممکن نہیں ہے کہ ان بچوں کو سول سروس کے امتحان میں کامیابی نہ ملے۔ یہ بھی طے ہے کہ اس ٹھوس پختہ وسیع و جامع تیاری کے بعد یہ بچے کسی بھی ٹسٹ یا انٹرویو میں نمایاں کامیابی ضرور حاصل کر سکیں گے۔

سلطنت عثمانیہ کے صدیوں کے شاندار دور اقتدار کے پیچھے راز تھا کہ بادشاہ کے محل میں ہی ایک مخصوص اکیڈمی قائم تھی جس کا نام تھا اندرون اکیڈمی' اس میں سلطنت کے قابل ترین نوجوان بچوں کو رکھ کر انھیں 5 برس کی کوچنگ دی جاتی تھی اور پھر انھیں سلطنت میں مختلف مقامات میں سرکاری عہدوں پر فائز کر دیا جاتا تھا۔ ملت کو مبارک ہو کہ بیجاپور سول سروسز اکیڈمی کی شکل میں ہمارے عزیز ملک ہندوستان میں حکومت کے عہدوں پر فائز ہونے کے لئے قابل ترین بچوں کا پہلا انتخاب ہو گیا ہے اور اب یہ سلسلہ ان شاء اللہ چلتا ہی رہے گا۔ خدا کرے کہ ملک کے دیگر صوبوں میں بھی اسی طرح کی فکر پر عمل شروع ہو جائے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منتو سرکل کے پرنسپل فیصل نفیس صاحب نے بھی بتایا کہ انھوں نے لائبریری میں ہندو اخبار کی اضافی کاپیاں منگوانا شروع کر دی ہیں اور سول سروس کے لئے بچوں کی ابتدائی تیاری کروانے کی غرض سے کمیٹی بھی تشکیل ہو گئی ہے۔ ملک کے دیگر صوبوں اور ضلعوں میں بھی اسی طرز پر بنیادی ادارہ سازی کارروائی کی شروعات کی جانی چاہئے۔

بقول علامہ اقبال:

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افق خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

Published in 01 Sep-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

دہلی کارپوریشن الیکشن، وارڈوں میں ترمیم ضروری

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

دہلی کے تینوں میونسپل کارپوریشنوں میں کل 272 وارڈ ہیں‘ حدبندی کے رہنما اصولوں کے مطابق دہلی کی آبادی کو وارڈوں کی تعداد سے تقسیم کرکے جو ہندسہ آئے اتنی ہی آبادی پر ہر وارڈ بنایا جانا چاہئے۔ لہٰذا فی الوقت ہر وارڈ میں اوسطاً 59,019 آبادی ہونی چاہئے‘ ہاں زیادہ سے زیادہ 10 فیصد کا فرق پڑ سکتا ہے، جس کے لئے تحریری جواز الیکشن آفس کی فائل میں موجود ہونا چاہئے۔ دہلی کے چیف الیکشن آفیسر کے ذریعہ تمام وارڈوں کے مابین تبدیلیاں کی جا رہی ہیں، جس کے مسودہ میں متعدد تجاویز پر تفصیلی اعتراضات تحریر کرکے زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کے ذریعہ الیکشن آفس کو بھیج دئے گئے ہیں۔ اسمبلی حلقہ نمبر 67 بابر پور کی آبادی 2011 کی مردم شماری کے مطابق 2,18,274 ہے۔ اس اسمبلی حلقہ کے تحت صرف 3 وارڈ بنائے جانے کی تجویز ہے کیونکہ حدبندی کے اصول نمبر 1 کے مطابق ہر وارڈ میں اوسطاً 59,019 آبادی ہونی چاہئے لیکن دوسری طرف اسمبلی حلقہ نمبر 10 سلطان پور ماجرہ کی آبادی 2011 کی مردم شماری کے مطابق 2,15,928 ہی ہے پھر بھی وہاں 4 وارڈ بنائے جانے کی تجویز ہے۔

لہٰذا سلطان پور ماجرہ میں 3 وارڈ بنائے جائیں اور بابر پور میں 4 وارڈ بنائے جائیں۔ حدبندی کے اصول 2 کے مطابق کسی اسمبلی حلقہ کے تحت کسی وارڈ میں کسی دوسرے اسمبلی حلقہ کی کوئی آبادی شامل نہیں کی جائے گی‘ لیکن اسمبلی حلقہ 67 بابر پور کے وارڈ نمبر 48 میں بابر پور کی جنتا مزدور کالونی کو تقسیم کرکے اس میں سے 24,863 آبادی کو اسمبلی حلقہ نمبر 64 روہتاش نگر کے وارڈ نمبر 37، روہتاش نگر اور وارڈ نمبر 38 سبھاش پارک میں ملا دینے کی تجویز دہلی کے الیکشن دفتر نے دی ہے۔ اسی طرح وارڈ نمبر 48 بابر پور میں پوربی وچھمی گورکھ پارک کو تقسیم کرکے اسمبلی حلقہ نمبر 64 روہتاش نگر کے وارڈ نمبر 37 روہتاش نگر میں ملانے کی تجویز بھی دہلی کے الیکشن دفتر نے دی ہے۔ مزید یہ کہ اسمبلی حلقہ 67 بابر پور کے وارڈوں میں تین دیگر اسمبلی حلقوں کی آبادیوں کو ملانے کی تجویز بھی الیکشن دفتر نے دی ہے، یہ علاقے ہیں پچھمی روہتاش نگر‘ شواجی پارک اور پرتاپ پورہ۔ ان علاقوں کو روہتاش نگر اسمبلی حلقہ کے وارڈوں میں واپس کردیا جانا چاہئے۔ اسی طرز پر اسمبلی حلقہ نمبر 66 گھونڈہ کے وارڈ نمبر 43 یمنا وہار کو بھی تقسیم کرکے وہاں کی 20,829 آبادی (سبھاش وہار بلاک E اور F) وارڈ نمبر 49 سبھاش محلہ میں ملانے کی تجویز الیکشن دفتر نے دی ہے۔ یہ تجاویز حدبندی کے اصولوں کے خلاف ہیں اور ان پر عمل نہیں کیا جانا چاہئے۔

دہلی اسمبلی کے حلقہ نمبر 70 کراول نگر میں وارڈوں کی مجوزہ حدبندی کے مسودہ میں لکھا ہے کہ مردم شماری 2011 کے مطابق یہاں کی آبادی 3,21,350 ہے۔ وارڈ نمبر 62 سعادت پور اور وارڈ نمبر 63 شری رام کالونی کی جغرافیائی حدود ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ پورا سعادت پور وارڈ صرف 35,701 آبادی پر مبنی رکھا گیا ہے، یہ حدبندی کے رہنما اصول نمبر 1 کی خلاف ورزی ہے، جس کے مطابق یہاں 59,019 آبادی ہونی چاہئے لیکن اس وارڈ کی مجوزہ آبادی اس سے 40 فیصد کم ہے جبکہ صرف 10 فیصد فرق کی چھوٹ ہے وہ بھی فائل پر تفصیلی جواز کے ساتھ۔ دوسری طرف کراول نگر سے متصل وارڈ شری رام کالونی میں مجوزہ آبادی 73,470 ہے اور وہ تعداد بھی 59,019 سے 24 فیصد زیادہ ہے جبکہ صرف 10 فیصد فرق کی چھوٹ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وارڈ نمبر 63 شری رام کالونی میں سے 21,113 کی آبادی کو نکال کر وارڈ نمبر 62 سعادت پور میں شامل کیا جائے۔ یہ 21,113 آبادی رہتی ہے کھجوری خاص سی ٹی‘ راجیو نگر‘ اور شری رام کالونی کے بلاک A&B میں۔ ایسا کرنے کے بعد وارڈ نمبر 63 شری رام کالونی کی آبادی 52,357 رہ جائے گی اور وارڈ نمبر 62 سعادت پور کی آبادی بڑھ کر 56,322 ہو جائے گی۔ اس طور پر حدبندی کے رہنما اصولوں کی خلاف ورزی ہونے سے بچ جائے گی اور ساتھ ہی متعلقہ آبادیوں کی دستوری حق تلفی بھی نہیں ہوگی۔

> **فی الوقت ہر وارڈ میں اوسطاً 59,019 آبادی ہونی چاہئے‘ ہاں زیادہ سے زیادہ 10 فیصد کا فرق پڑ سکتا ہے، جس کے لئے تحریری جواز الیکشن آفس کی فائل میں موجود ہونا چاہئے۔ دہلی کے چیف الیکشن آفیسر کے ذریعہ تمام وارڈوں کے مابین تبدیلیاں کی جا رہی ہیں، جس کے مسودہ میں متعدد تجاویز پر تفصیلی اعتراضات تحریر کرکے زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کے ذریعہ الیکشن آفس کو بھیج دئے گئے ہیں۔**

مردم شماری 2011 کے مطابق اسمبلی حلقہ 65 سیلم پور کی آبادی 2,44,204 ہے۔ اس اسمبلی حلقہ کے چاروں وارڈوں کے نقشہ پر نشاندہی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جغرافیائی حدود ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں‘ یہ ہیں وارڈ نمبر 39 موج پور‘ 40 سیلم پور وارڈ‘ 41 گوتم پوری اور 42 برہمپوری۔ حدبندی کے مسودہ میں الیکشن دفتر کے ذریعہ گوتم پوری میں 69,875 آبادی شامل کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔ اس میں سے کیٹھواڑہ گاؤں‘ ایم سی ڈی اسٹاف کوارٹر A,B,C,D‘ چتوار ہاؤس‘ روی داس دھرم شالہ‘ اور عثمان پور A,B,C بلاک برہمپوری وارڈ سے متصل ہیں۔ ان علاقوں کی 15,994 آبادی کو برہمپوری وارڈ میں شامل کیا جانا چاہئے ورنہ موجودہ تجویز حدبندی کے رہنما اصولوں 3 و 4 کی خلاف ورزی ہوگی۔ حدبندی کے رہنما اصول 2 میں درج ہے کہ دہلی میں کسی اسمبلی حلقہ کے باہر کی آبادی اُس حلقہ کے کسی وارڈ میں شامل نہیں کی جائے گی لیکن اسمبلی حلقوں 66 گھونڈہ اور 67 بابر پور کے کچھ حصوں (عثمان پور بلاک C‘ جگجیت نگر بلاک E وغیرہ جن کی آبادی 6,903 ہے) کو اسمبلی حلقہ 65 سیلم پور کے تحت وارڈ نمبر 42 برہم پوری میں شامل کرنے کی الیکشن دفتر نے تجویز کی ہے‘ ایسا نہیں کیا جانا چاہئے۔ اسی طرح اسمبلی حلقہ 66 کے تحت وارڈ نمبر 44 گھونڈہ اور وارڈ نمبر 45 جگجیت نگر کے تحت پڑنے والے جن علاقوں (برہمپوری بلاک X گلی نمبر 9 و 10 وغیرہ) کو اسمبلی حلقہ 65 سیلم پور میں ڈالنے کی الیکشن دفتر کی تجویز ہے‘ انھیں اسمبلی حلقہ 66 کے وارڈ نمبر 42 برہمپوری میں ہی رکھا جانا چاہئے۔ وارڈ نمبر 40 سیلم پور میں 70,307 آبادی کی الیکشن دفتر کی تجویز ہے۔ اس میں سے جعفرآباد سی ٹی گلی نمبر 52-1 وارڈ نمبر 39 موج پور سے جڑی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان 52 گلیوں کی 16,616 آبادی کو وارڈ نمبر 39 موج پور میں منتقل کردیا جانا چاہئے ورنہ یہ بھی حدبندی کے رہنما اصولوں 3 و 4 کی خلاف ورزی ہوگی۔ ان ترمیمات سے اسمبلی حلقہ 65 سیلم پور کے تحت 4 وارڈوں میں آبادی حدبندی کے اصولوں 1 تا 5 کی پابندی کرتے ہوئے ہو جائے گی۔

اسمبلی حلقہ نمبر 54 اوکھلا کی آبادی مردم شماری 2011 کے مطابق 3,17,130 ہے۔ وہاں وارڈ نمبر 99 نیوفرینڈس کالونی وارڈ نمبر 104 جسولہ وہار سے ملا ہوا ہے۔ وارڈ نیوفرینڈس کالونی میں صرف 39,031 آبادی کی تجویز دہلی کے الیکشن دفتر نے اپنے مسودہ میں دی ہے‘ یہ حدبندی کے اصول 3 کی کھلی خلاف ورزی ہے‘ جبکہ وارڈ نیوفرینڈس کالونی کی مجوزہ خفیف آبادی میں وہاں سے غیر متصل جسولہ وہار کی 4,695 آبادی شامل ہے اور وہ بھی حدبندی اصول کے خلاف ہے۔ اُس آبادی کو وہاں سے نکالا جائے اور اس کے بجائے نیوفرینڈس کالونی سے متصل ذاکر نگر اور جوگا بائی ایکسٹینشن کی 18,620 آبادی کو حدبندی اصول 1 کے تحت نیوفرینڈس کالونی وارڈ میں جوڑا جانا چاہئے۔ مسیح گڑھ کی آبادی 1,392 کو الیکشن دفتر کی تجویز کے مطابق مہارانی باغ وارڈ میں جوڑا جانا ہے‘ یہ حدبندی اصول کے خلاف ہے‘ اس آبادی کو اصولاً نیوفرینڈس کالونی وارڈ میں جوڑا جانا چاہئے۔ اس طرح نیوفرینڈس کالونی وارڈ کی آبادی 39,031 سے بڑھ کر 51,664 ہو جائے گی۔ اسمبلی حلقہ نمبر 50 گریٹر کیلاش کے تحت الک نندا بلاک E کو اسمبلی حلقہ نمبر 54 اوکھلا کے تحت وارڈ نمبر 104 جسولہ وہار میں ملانے کی تجویز الیکشن دفتر نے اپنے مسودہ میں دی ہے، یہ حدبندی اصول کے خلاف ہے اور ایسا نہیں کیا جانا چاہئے۔ اسمبلی حلقہ نمبر 69 مصطفیٰ آباد کی آبادی مردم شماری 2011 کے مطابق 3,06,766 ہے۔ اس کے تحت وارڈ نمبر 57 مصطفیٰ آباد کے فطری جغرافیائی حصہ مان سنگھ نگر کے بلاک G اور H کو وارڈ نمبر 59 برج پوری میں شامل کئے جانے کی تجویز الیکشن دفتر نے دی ہے جو حدبندی اصول کے خلاف ہے اور ایسا نہیں کیا جانا چاہئے۔

□❖□

نوٹ: مندرجہ بالا مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کے لیے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

Published in 07 Jul 2016 | Print Edition of Roznama Sahara

مدینہ حملہ پرٹی وی بحث اور باعزت رہائی کا معاوضہ

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

گزشتہ چودہ دنوں سے مختلف ممالک میں دہشت گردانہ حملے ہو رہے ہیں، ہر حملے کے بعد میڈیا میں اس پر غور ہوتا ہے کہ یہ حملہ کس نے کیا اور آئندہ کے لئے ایسے حملے کو کس طرح روکا جائے۔ لیکن تین روز قبل جب اسی طرح کا حملہ مدینہ منورہ میں حرم شریف کے باہر کچھ فاصلہ پر ہوا تو ایک بڑے ملی ٹی وی چینل پر بڑی بحث کا انعقاد تھا کہ دنیا کے مسلمانوں میں آج کل کتنے فرقے ہیں اور ان میں کیا اختلافات ہیں یعنی سارے گھنٹہ بھر کے آگے چینل والوں نے بہت غور کرکے مجھے بھی پینل میں شامل کیا لیکن جب میں نے پہلی گفتگو میں یہ نقطہ پیش کیا اور کہا کہ اس ٹی وی بحث میں مدینہ منورہ کے حالیہ حملہ آوروں کے مقاصد کو کامیابی دکھائی دے رہی ہے اور حملے کی تحقیق تو سعودی حکومت ہی کر سکتی ہے یہاں دہلی میں بیٹھ کر دو گھنٹہ بحث کرنا کیا درست ہے تو اس کے بعد سے پوری بحث کے دوران اینکر نے مجھے دوبارہ بولنے کا موقع نہیں دیا، بلکہ اینکر خود سارے سوال اس انداز پر پوچھتے رہے کہ جواب میں وہابیت اور صوفیت کے علمبرداروں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے اور وہ اینکر وقت ٹی وی اینکر کی اس سازش کا شکار بھی خوب ہوئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے فرقہ کو خوب برا بھلا کہا اور ان کے ذریعہ الفاظ کے انتخاب میں بھی کئی دفعہ کوتاہی ہوئی۔ ایک تیسرے مسلمان وقت تو تنگ رہا تھا کہ اسلام سے خارج کئے جانے بیٹھے ہیں اسلام کی بھی چودہ صدیوں کو انھوں نے خوب برا بھلا کہا۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کے پروگرام کر کے اہلی ٹی وی چینل کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف اہل وطن کے ذہنوں کی تقطیب (Polarisation) کرنے کی بڑی سازش کا حصہ ہے۔ لیکن ہم وطنوں کو اس سازش میں اپنے کو پھنسنے نہیں دینا چاہئے۔ چینل کے کارندوں کو وقتی طور پر خوش کرنے کے لئے تا کہ وہ آئندہ بھی اسٹوڈیو میں بلاتے رہیں وہ اس کے لئے پورے دین اسلام کی حرمت کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور اصل اللہ کے نزدیک بہت ناپسندیدہ عمل ہے۔ دین اسلام کی بجا مخالفت کرنے والوں کے ذریعہ دعوت قبول کر کے ان کے سامنے جا کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے حق گوئی کرنے کو دیکھئے اس میں جو لذت قلب ہے اور اس کا دونوں دنیاؤں میں جو اجر ملتا ہے اس کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔

دسمبر 1991 میں یو ایس ایس آر (USSR) کے تحلیل ہو جانے کے بعد عالمی سیاست کے دو قطبوں میں سے ایک قطب یکایک غائب ہو گیا۔ اب ساری سیاسی بحث اور جنگی جارحیت، ہتھیاروں کی صنعت کاری و ان کی فروخت کو جاری رکھنے کے لئے نشانہ کا فقدان ہو گیا۔ شاید اس معاملہ پر داخلی مباحث تو پہلے سے ہی ہونا شروع ہو گئی ہوں گی اور یہ طے ہوا کہ کوئی ملک یا ادارہ سرخ کی طرح کا کوئی سیاسی فلسفہ تو اب ہے نہیں جسے دشمن بنایا جائے اور اس کو مات دینے کے لئے جنگی ہتھیاروں کی صنعت کاری و فروخت جاری رکھی جائے تو کچھ میں یہ آیا کہ مذہب اسلام آسان متبادل ہے، اسی کو نشانہ بنایا جائے اور سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت آہستہ آہستہ دنیا میں اس کے خلاف نفرت کا بیج بویا جائے۔ اس سے ایک اور بھی بڑا فائدہ نظر آرہا تھا کہ زیادہ تر تیل کے کنویں مسلمانوں کے ہی پاس ہیں، لہٰذا یہی حکمت عملی کی بنیاد پر ان ممالک میں سر سے ایسے چلے جائیں کہ جو عام بات نہ مانے اس کے خلاف ہتھیاری طور پر جارحیت پیدا ہو جائے یا پھر اقوام متحدہ سے قرارداد پاس کروا کے وہاں کے حاکم کو ہٹا کے اپنی پسند کے آدمی کے ہاتھ میں کمان سونپ دی جائے چونکہ وہاں اکثر کچھ لاکھ مسلمان مر بھی جاتے ہیں تو اسے متوازی ضرر (Collateral Damage) کہہ دیں گے۔ اور تیل کے خزانوں کے درمیان جو نصف صدی سے اپنا پیر پھیلائے بیٹھا ہے اس کو اپنا زیر دست ممد و معاون بھی بنایا جا سکے گا۔ اس طرح مستقبل قریب کے 100-50 برسوں کے دوران ہر 4-5 سال میں ہونے والے قومی انتخابوں کے لئے نیا سیاسی چارہ بھی تیار ہو جائے گا اور اس میں خرچ ہونے والی رقم بھی آسانی سے فراہم ہوتی رہے گی، یہاں عرصہ دراز تک اپنے باشندوں کو سستا تیل بھی ملتا رہے گا جس سے اپنے یہاں امن و شانتی رہے گی۔ اس سے دنیا میں یہاں وہاں گڑبڑ ہو رہی ہے لگتی پیدا ہوگی تو اپنی اس بحث میں سے بہت تھوڑی سی تقسیم رقم خرچ کر کے کہہ دیں گے کہ ہم دنیا میں امن لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے ملک عزیز کی گزشتہ 90 برسوں کی سیاست پر بھی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ آزادی سے 25-20 برس قبل سے قوم پرستی سے متعلق سارے ہی منشور کانگریس پارٹی نے اختیار کر لئے تھے اور کوئی دوسری جماعت کو اپنے سیاسی دو ہو جانے کے تحفظ مسلم عدم اعتماد ایک مضبوط متبادل دیکھنے لگی۔ نوبت یہ آئی جو اب کہ بیسویں صدی کے اختتام تک اندرون ملک بھی سیاسی تقطیب شروع ہو گئی اور وہ اب عالمی سیاسی مسلم دشمنی کی موجودہ مہم سے غذائیت حاصل کرنے لگی۔ مدینہ منورہ اور دیگر عالمی حملوں کو اس منظر نامے سے علیحدہ کر دینا عقل عام سے پرے ہے۔ اور یہ مان لینا مشکل ہے کہ مذکورہ چینل کے ذمہ دار صاحبان کی نظر اس پس منظر پر نہیں ہے۔ ٹی وی پر مسلم نمائندگی کی حیثیت سے بیٹھنے والوں پر اپنے آپ بڑی ذمہ داری آجاتی ہے اور علامہ اقبال سے سبق لینا ہی پڑے گا کہ:

> وہ فرد کہ آزادی ہے مستی قوم ہے جسکی
> خدا ہو ملت پہ یہی آشکار غلطیم نگاہ ہو جا

ادھر سپریم کورٹ نے اکثر دہشت گردی کے معاملہ میں دہشت گردی کے الزام سے عدالت کے ذریعہ بری کئے گئے نوجوانوں کو معاوضہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ ذرائع انفارمیشن، ریلوے، ایکسیڈنٹ وغیرہ کے متاثرین کو اسی طرح کا معاوضہ عدالت عظمیٰ نے ماضی میں دیا ہے۔ فیصلے میں کہا گیا کہ اس طرح کا معاوضہ دینے سے خطرناک مثال قائم ہو گی جس کی تفصیل بعد میں معلوم ہو گی جب پورا فیصلہ ویب سائٹ پر آجائے گا۔ پھر بھی امید کی کرن یہ ہے کہ ایسے معصوم افراد کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے خلاف مقدمہ دائر کرنے والی ایجنسی اور متعلقہ حکومت کے خلاف ٹرائل کورٹ میں تازہ مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ان دونوں معاملوں میں اس طرح کے معصوم لوگوں کی امداد کے لئے ان کے بہی خواہوں اور اہل استطاعت کو اٹھ کر آگے آنا ہوگا۔ نئے سرے سے ٹرائل کورٹ میں حکومت اور ایجنسیوں کے خلاف نیا مقدمہ دائر کیا جائے جس میں ایجنسیوں اور حکومت کے کارندوں کے خلاف بدنیتی پر مبنی بدعنوانی (Interntional Malfeasance) کا کیس بنایا جائے اور جو معاوضہ کی اجازت سپریم کورٹ نے نہیں دی اس کے خلاف عدالت عظمیٰ میں ہی اپیل ریفرنس بھی دائر کیا جائے۔ اسی کیس میں سپریم کورٹ کی دوسری بنچ نے حکومت کی مذمت کی تھی کہ اس نے فرضی ثبوت پیش کر کے معصوم لوگوں کو مقدمہ میں ملوث کیا۔ آئین ہند کے آرٹیکل 21 کے مطابق ہر شہری کا بنیادی حق ہے کہ وہ آزادانہ زندگی اپنی مرضی سے گزارے۔ یہ آرٹیکل تمام بنیادی حقوق کا دل کہلاتا ہے لیکن اگر فرضی مقدمہ کی بنیاد پر اس آزادی سے برسوں تک کسی شخص کو محروم رکھا جائے اور اس وجہ سے اس کی عزت پر سماج میں بدنما داغ بھی لگ جائے تو اس کے لئے اس کو معقول معاوضہ ملنا بھی اس کا بنیادی حق بنتا ہے۔ امریکہ کے زیادہ تر صوبوں میں قانون کے مطابق اس طرح کے معاوضہ کی رقم اس پر منحصر ہے کہ اس معصوم شخص نے کتنے برس قید خانہ میں گزارے ہیں اور یہ رقم ایک ملین ڈالر سے کچھ ہی کم یعنی تقریباً پچاس لاکھ ہندوستانی روپے کے برابر ہوتی ہے۔ بہر حال فی الوقت امید کی ایک اور کرن دکھائی پڑی ہے۔ امریکی امیگریشن کی وزارت نے آزادی سے ادھر آگرہ کے ایم پی رام شنکر کٹھیریا کی مرکزی حکومت سے چھٹی ہو گئی۔ یاد ہے کہ گزشتہ مارچ میں کٹھیریا نے آگرہ میں مسلمانوں کے خلاف زہر اگلا تھا جس پر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کی ایما پر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے متعدد وکلاء سمیت ملک کے مختلف صوبوں کی سرکردہ ہستیوں نے صدر جمہوریہ اور سپریم کورٹ سے گہار لگائی تھی۔ اب ان "نفرت انگیز" کارروائی کے لئے وزیر اعظم شکریہ کے مستحق ہیں۔

آئین ہند کے آرٹیکل 21 کے مطابق ہر شہری کا بنیادی حق ہے کہ وہ آزادانہ زندگی اپنی مرضی سے گزارے' یہ آرٹیکل تمام بنیادی حقوق کا دل کہلاتا ہے لیکن اگر فرضی مقدمہ کی بنیاد پر اس آزادی سے برسوں تک کسی شخص کو محروم رکھا جائے اور اس وجہ سے اس کی عزت پر سماج میں بدنما داغ بھی لگ جائے تو اس کے لئے اس کو معقول معاوضہ ملنا بھی اس کا بنیادی حق بنتا ہے۔

مسئلہ کشمیر کا جغرافیائی وتاریخی پس منظر

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

برصغیر کی سیاسی صحت کے لئے آزادی کے بعد سے اب تک کشمیر ایک خوبرو کانٹا بنا رہا ہے اور مستقبل قریب میں اس مسئلہ کے حل کے لئے کوئی خاص امید نظر بھی نہیں آرہی ہے۔ پھر بھی آیئے اس مسئلہ کے تاریخی پس منظر کے چند پہلوؤں پر نظر ڈالیں۔ کاشغر (موجودہ چین کا مغربی نخلستانی شہر) پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد 1884 میں چین کے مانچو شاہی گھرانے نے پورے چینی ترکستان کو سنکیانگ کے نام سے چین کا ایک صوبہ بنائے جانے کا اعلان کردیا تھا۔ اس طرح چینی ترکستان کے لئے اب یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ روس یا برطانیہ کی سلطنتوں کے تحت مسلم ریاستوں کی حیثیت سے نہیں رہے گا بلکہ اب مستقبل میں یہ علاقہ چین کی عقابی نظر کے نشانہ پر ہی رہنے والا ہے۔ پھر بھی اس وقت کی برطانوی حکومت ہند کوشش میں لگ گئی کہ چینی ترکستان کم از کم روس کا زیر نگرانی علاقہ (Protectorate) ہی بن جائے۔ اس سے قبل 1855 میں حکومت ہند نے پوری سلطنت کا مثلث پیمائشی جائزہ کروانا شروع کردیا تھا اور 1865 تک پوری سلطنت میں یہ کام ہو چکا تھا بجز ریاست جموں کشمیر کے۔ اس سروے کو کرنے والا شخص W.H. Johnson حکومت ہند سے اپنی تنخواہ کے تعلق سے دل برداشتہ تھا لہٰذا کشمیر پہنچ کر اس نے اپنی تابعداری بدل کے مہاراجہ کشمیر رنبیر سنگھ کے ماتحت کردی اور اب وہ صوبہ کشمیر کی طرف سے شمالی سرحدوں سے متعلق مذاکرات کے لئے سفیر بھی بن گیا۔ وہ اقصائے چین ہوتا ہوا قراقش ندی پار کر کے خوتان کی طرف اترا۔ اس علاقہ میں بڑی مقدار میں بیش قیمت پتھر نیلم (Sapphire) پایا جاتا ہے ویسے اس راستہ کو امیر خوتان حاجی حبیب اللہ خاں ہندوستان جانے کے لئے اپنے ذاتی راستہ کے طور پر تیار کرنا چاہتے تھے۔

اس سفر کی بنیاد پر جانسن نے جو نقشہ تیار کیا اس سے کشمیر کی شمالی سرحد میں 100 میل کی وسعت ہوگئی اور اب یہ سرحد قراقرم پہاڑ سے بھی آگے قراقرم فصیل آب (Watershed) کے شمالی کنارے کے آگے تک پہنچ گئی تھی' یہ خطہ اب تک چین کے قبضہ میں ہوا کرتا تھا۔ کشمیر کی سرزمین میں اب 21,000 مربع میل کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اسی بنیاد پر آزادی کے بعد ہندوستان نے اقصائے چین پر اپنی حاکمیت کا دعویٰ پیش کیا۔ 1874 میں کاشغر کے سپہ سالار یعقوب بیگ نے سلطنت عثمانیہ سے تعلق پیدا کر کے اپنی کو سلطنت کی محدود حکمرانی کے تحت کاشغر کا حاکم اعلیٰ تسلیم کروالیا۔ اُدھر 1885 میں گدی سنبھالنے والے کشمیر کے نئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی حکومت اپنی نا اہلی' بد عنوانی اور ظلم وزیادتی کے لئے بدنام تھی جس کا برطانوی وہندوستانی اخبارات میں کافی ذکر ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ہندوستان کی برطانوی حکومت کو اطمینان نہیں تھا کہ شمالی سرحدوں کی حفاظت صوبہ کشمیر کے ہاتھوں میں چھوڑ دی جائے۔ 1886 میں حکومت ہند میں یہ تجویز زور پکڑ رہی تھی کہ پورے گلگت علاقہ کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے اور سیدھے اپنے کنٹرول میں ایک نئی گلگت ایجنسی قائم کردے ورنہ چین کی طرف سے ہنزہ (موجودہ پاکستان میں ایک وادی) کو اپنے کنٹرول میں لینے کی کارروائی کا کافی امکان تھا جبکہ ہنزہ کے امیر کے پہلے سے ہی چین کے ساتھ خراج دینے والے تعلقات تھے۔ اس لئے 1889 میں مہاراجہ کے اختیارات کو تراش کے پورے صوبہ جموں وکشمیر کو ایک کونسل آف اسٹیٹ کے تحت کردیا گیا اور اس کی باگ ڈور صوبہ میں تعینات نئے برطانوی افسر بکار خاص کو سونپ دی گئی۔

1889 میں برطانوی وزیراعظم نے حکومت چین کو خط لکھا کہ ہندوستان وچین کے مابین شمالی حدود کا فیصلہ ہو جائے اس میں کچھ جامع مشورے بھی دئے گئے لیکن چین کی وزارت خارجہ نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر بھی پیکنگ اور کاشغر میں اس خط کے مغز کو نامنظور نہیں کیا گیا۔ 1904 میں لارڈ کرزن نے حکومت چین کو لکھنے کے لئے سوچا کہ اب سے امیر ہنزہ ان کو خراج نہیں دیں گے اور چونکہ 1889 کے برطانوی وزیراعظم کے خط کا کوئی جواب نہیں آیا لہٰذا یہ تسلیم کرلیا گیا کہ مجوزہ پلان چین کو منظور ہے۔ اسی طرح کی ایک تجویز تبت کی جانب سرحد سے متعلق بھی زیر غور تھی لیکن کسی وجہ سے برطانیہ یا ہندوستان کی حکومتوں نے یہ تجاویز اس وقت چین کو نہیں بھیجیں ورنہ غالباً ہند–چین بارڈر مسئلہ ہمیشہ کے لئے تبھی حل ہو چکا ہوتا۔ بہر حال اب ہندوستان کی برطانوی حکومت نے طے کرلیا تھا کہ 1889 کے برطانوی نوٹ کے مطابق 1904 کی لارڈ کرزن کی تجویز کے ساتھ شمالی حدود کو تسلیم کرلیا جائے۔ 1913 میں حکومت ہند نے گلگت کے لئے الگ فوجی دستہ 'کور آف گلگت اسکاؤٹس' کے نام سے قائم کردیا جو

وادی کشمیر کی موجودہ بدحالی کو مرکزی و صوبائی حکومتوں کے ذریعہ بہت آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یوروپ' امریکہ' آسٹریلیا و دیگر ممالک کے متعدد علاقوں کا سفر کیا اور وہاں قیام کیا ہے۔ وہاں سے سبق لے کر وادی کشمیر کو پوری دنیا کے لئے بہترین اور خوشنما خطہ بنایا جا سکتا ہے۔

برطانوی حکومت کے ماتحت تھا۔ 1925 میں سنکیانگ کے نئے گورنر چن شوجن کو حکومت چین کے ساتھ اپنے رشتہ کی نوعیت طے کرنی تھی اور ساتھ ہی صوبہ میں مسلم علیحدہ پسند تحریک پر بھی کنٹرول کرنا تھا جسے سابق حکمراں نے زبردست طریقہ سے دبا کے رکھا تھا۔ 1933 میں چن شوجن کی حکومت گر گئی اور اب بالشوک روس کی طرف سے اور بھی خطرہ بڑھ گیا تھا۔ ان حالات میں حکومت ہند نے طے کیا کہ اس کے اور ریاست جموں وکشمیر کے درمیان شمالی سرحدوں کی حفاظت سے متعلق سمجھوتہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

1925 میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے انتقال کے بعد ہری سنگھ کے گدی نشین ہونے پر ان کے اختیارات پر سے حکومت ہند نے اپنی بندشیں ختم کردی تھیں۔ لیکن جلد ہی حکومت ہند و برطانیہ کو احساس ہونے لگا کہ ہری سنگھ برطانیہ کے مضبوط اتحادی وتابعدار نہیں ہیں، اس بنیاد پر کہ 1930 کی لندن راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ہری سنگھ نے برطانوی حکومت کے تئیں اپنے منفی انقلابی خیالات کا اظہار کیا جس سے ان کی وفاداری پر سوالیہ نشان لگ گیا۔ دوم برطانوی حکومت کو معلوم ہو گیا تھا کہ وادی کشمیر میں ہری سنگھ کی زبردست عوامی مخالفت ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ہری سنگھ کی حکومت اندرونی طور پر کمزور بھی ہو گئی ہے۔ گلگت میں ہری سنگھ کے وزیر وزارت برطانوی اقتدار میں سرنگ لگانے میں لگے تھے۔ افغانستان سے برما تک ساری شمالی سرحد پر سنکیانگ کی طرف سے روسیوں کے گھس آنے کا خطرہ لاحق تھا۔ تبت کے ساتھ تعلق غیر مطمئن تھا۔ آسام بارڈر پر بھی توجہ کی ضرورت تھی۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ گلگت میں ہوائی اڈہ تو 1929 میں ہی بن گیا تھا۔ اب 1935 میں گلگت وزارت کو مہاراجہ کے ذریعہ برطانوی حکومت کو 60 برس کے لئے لیز پر دے دیا گیا۔ گلگت کی حکومت اور فوج برطانوی حکومت ہند کے ماتحت آگئی جبکہ خطہ کی ملکیت صوبہ کشمیر کی ہی رہی۔ ہنزہ علیحدہ آزاد ریاست بن گیا۔ اس طرح گلگت سے جنوب میں پورا ملک ہندوستان برطانوی حکومت کے تحت رہتے ہوئے اس کے شمال میں غیر تعریف شدہ حاکمیت سے محفوظ ہو گیا۔ حکومت چین نے سنکیانگ میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش 1949 میں کمیونسٹوں کے آنے تک نہیں کی۔ برطانوی راج کے آخری برسوں میں حکومت ہند نے شمالی سرحد کے متعلق کوئی مؤثر اقدام نہیں کیا۔

1947 میں بٹوارے کے بعد ہنزہ پاکستان میں چلا گیا جس کی وجہ سے ہمارے ملک ہندوستان کو شمالی سرحد پر نظر رکھنے کے لئے ایک مضبوط ستون کھونا پڑا۔ آزادی کے بعد سے 1950 تک ہم نے سنکیانگ کے متوازی اپنے بارڈر پوسٹ نہیں بنائے اور 1954 تک ہم نے شمالی سرحد کی نقشہ نویسی کا کام بھی مکمل نہیں کیا۔ شاید ہم کشمیر سے متعلق پاکستان سے اپنی لڑائی میں اس قدر مصروف ہو گئے کہ اس بڑی عملداری سے غافل ہو گئے۔ ہم یہی دعویٰ کر دیتے کہ برصغیر کی شمالی سرحد کے دفاع کی ذمہ داری برطانوی حکومت کے دو جانشین ممالک میں سے بڑے اور زیادہ مضبوط کو دی جانی چاہئے۔ اس تاریخی پس منظر سے کچھ روشنی پڑتی ہے کہ مرکزی حکومت کے ساتھ رشتہ کی استواری میں کمی کی بڑی وجہ ہے اس وقت کے مہاراجہ کے ہندوستان کی برطانوی حکومت کے ساتھ رشتوں کا ناہموار تاریخی سلسلہ۔ بہر حال وادی کشمیر کی موجودہ بدحالی کو مرکزی وصوبائی حکومتوں کے ذریعہ بہت آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یوروپ' امریکہ' آسٹریلیا و دیگر ممالک کے متعدد علاقوں کا سفر کیا اور وہاں قیام کیا ہے۔ وہاں سے سبق لے کر وادی کشمیر کو پوری دنیا کے لئے بہترین اور خوشنما خطہ بنایا جا سکتا ہے اور ڈل جھیل کو دنیا کی سب سے خوبصورت جھیل بنایا جا سکتا ہے۔ ٹورزم کو بڑھاوا دینے کے لئے پوری دنیا میں ٹی وی وانٹرنیٹ پر اشتہار دئے جا سکتے ہیں۔ اس سے پورے ملک اور صوبہ کی اقتصادی حالت سدھرے گی۔ کشمیر کے نوجوانوں کی اقتصادی بازیابی اور ان کے خوبصورت مستقبل کی گارنٹی کے طور پر مخصوص پلان بنایا جا سکتا ہے۔ پھر عالمی سطح پر کشمیر سے متعلق ہمارے موقف کی بہتر پذیرائی بھی ہو سکے گی۔

Published in 28 Jul-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

یوپی اسمبلی الیکشن اور مسلم جمہوری بے عملی

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

یوپی اسمبلی میں 403 نشستیں ہیں۔ مردم شماری کے مطابق صوبہ کی 68 سیٹوں میں مسلمانوں کی آبادی 35 سے 78 فیصد ہے۔ ان سیٹوں پر بغیر بڑی تعداد میں مسلم ووٹ حاصل کئے بغیر کوئی امیدوار جیتنا ہی نہیں چاہئے۔ ان میں سے 8 سیٹیں شیڈولڈ کاسٹ کے لئے ریزرو ہیں' یہ ہیں نگینہ (مسلم آبادی 64 فیصد)' نہٹور (42 فیصد)' رامپور منیہاران (38 فیصد)' بلہا (35 فیصد)' مِلک (32 فیصد)' بلرامپور (32 فیصد)' ہستنا پور (31 فیصد) اور دھنورا (مسلم آبادی 31 فیصد)۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ اس طرح کی 32 دیگر سیٹوں میں جو ریزرو نہیں ہیں بڑی مسلم آبادی ہونے کے باوجود موجودہ اسمبلی میں وہاں کی نمائندگی مسلمان کے ذریعہ کیوں نہیں ہو رہی ہے۔ یہ نشستیں ہیں کیرانہ (مسلم آبادی 63 فیصد)' ٹھاکردوارہ (52 فیصد)' صاحب آباد (49 فیصد)' بیہٹ (50 فیصد)' دیوبند (48 فیصد)' قیصر گنج (45 فیصد)' سہارنپور دیہات (44 فیصد)' دھامپور (43 فیصد)' میرٹھ (43 فیصد)' نورپور (41 فیصد)' بریلی (کینٹ 40 فیصد)' گینساری (39 فیصد)' بریلی شہر (39 فیصد)' اسولی (39 فیصد)' اِٹوا (38 فیصد)' تلہر (36 فیصد)' بھنگہ (36 فیصد)' بجنور اور نان پارہ (35 فیصد)' نواب گنج' میرٹھ کینٹ' میرٹھ جنوبی' شاملی اور سردھنہ (33 فیصد)' گڑھ مکتیشور اور مظفرنگر (32 فیصد)' نکوڑ' ہرچاند پور اور بھاری چینپور (31 فیصد)' بلاسپور' گنگوہ اور شہرت گڑھ (مسلم آبادی 30 فیصد)۔ یعنی کہ 68 زبردست مسلم موجودگی والی سیٹوں میں سے بھی 60 فیصد سیٹوں کی نمائندگی غیر مسلم ہی کر رہے ہیں۔' 12 فیصد شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن کی وجہ سے اور 48 فیصد مسلمان ووٹروں کے ذریعہ الیکشن کے دوران امت کے مفاد میں دلچسپی نہ لینے کی وجہ سے۔

اس کے علاوہ یوپی اسمبلی میں 89 انتخابی حلقے ایسے ہیں جہاں مسلم آبادی 20 فیصد سے 28 فیصد تک ہے' وہاں بھی اگر مسلمان ووٹر متحد ہو جائیں تو ان کے ہی امیدوار کی جیت ہوگی۔ پھر بھی موجودہ اسمبلی میں ان 89 سیٹوں میں سے صرف 18 ہی کی نمائندگی مسلمان کر پا رہے ہیں کیونکہ 11 سیٹیں شیڈولڈ کاسٹ کے لئے ریزرو ہیں اور باقی 78 میں سے 63 سیٹوں کی بھی نمائندگی غیر مسلم ہی کر رہے ہیں۔ اس طرح کی اپنی جن سیٹوں کی نمائندگی مسلمان نہیں کر پا رہے ہیں وہ ہیں ردولی اور بڑھیکیڑا 28 فیصد' میراپور' مہداول' انوپ شہر اور بارہ بنکی 27 فیصد' دھولانہ اور سوانہ 26 فیصد' شاہ جہاں پور' ددرول' بشو ناتھ گنج' چھپرولی' گونڈہ' مہون' شیخوپور' محمود آباد اور باغپت 25 فیصد' لکھنؤ پوربی' مہاسی' بڑوت' بسواں' پیاگ پور' لکھنؤ اُتری' سروجنی نگر' لکھنؤ سینٹرل' فیروز آباد 24 فیصد' لکھنؤ کینٹ' مودی نگر' آنولہ' داتا گنج اور فیروزآباد 23 فیصد' کٹرہ بازار' رام نگر' سلطان پور' قدوائی نگر' بنسی' چھرّہ' لکھیم پور اور نظام آباد 22 فیصد' اعظم گڑھ' نوتنوا' گوری گنج' کرنیل گنج' برولی' الہ آباد' کچھوچھی' الہ آباد اُتری' پٹیالی اور دریاباد 21 فیصد' غازی آباد' پلیا' کھڈّہ' پدرونہ' سیتاپور' گھوسی' پرتاپ گڑھ' وارانسی کینٹ' دھورہرہ' سیوا پوری' کشی نگر' وارانسی اُتری' روہانیہ' بشو پور اور فاضل نگر 20 فیصد۔ یعنی کم وبیش ایک چوتھائی مسلم آبادی کے باوجود ان 89 سیٹوں میں سے 83 فیصد سیٹوں کی نمائندگی غیر مسلم کر رہے ہیں۔ 12 فیصد شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن کی وجہ سے اور 71 فیصد اس وجہ سے کہ مسلمان ووٹروں کے پاس ملت کے بارے میں سوچنے اور لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ 44 سیٹوں میں مسلم آبادی 15 فیصد سے 19 فیصد تک ہے' 91 سیٹوں میں مسلم آبادی 10 فیصد اور 15 فیصد کے درمیان ہے اور 108 سیٹوں میں مسلم آبادی 5 فیصد اور 10 فیصد کے درمیان ہے ۔ ان انتخابی حلقوں میں بھی مسلمانوں کو متحد ہو کر ملت کے حق میں اپنا اہم رول ادا کرنا ضروری ہے۔

مسلمانوں کو سیکولر پارٹیوں پر زور دینا چاہئے کہ اُن تمام 68 سیٹوں کے لئے جہاں مسلم آبادی 35 فیصد سے 78 فیصد ہے اُن کا امیدوار مسلمان ہی ہو۔ اور اُن 89 سیٹوں میں سے جہاں مسلم آبادی 20 فیصد سے 30 فیصد ہے وہاں کم از کم 50 سیٹوں پر مسلمان امیدوار ہونے چاہئیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان سیٹوں پر اپنے آزاد مسلم امیدوار کو ووٹ دیں۔

مسلمانوں کو سیکولر پارٹیوں پر زور دینا چاہئے کہ اُن تمام 68 سیٹوں کے لئے جہاں مسلم آبادی 35 فیصد سے 78 فیصد ہے اُن کا امیدوار مسلمان ہی ہو۔ اور اُن 89 سیٹوں میں سے جہاں مسلم آبادی 20 فیصد سے 30 فیصد ہے وہاں کم از کم 50 سیٹوں پر مسلمان امیدوار ہونے چاہئیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان سیٹوں پر اپنے آزاد مسلم امیدوار کو ووٹ دیں۔ اور اگر ایک سے زیادہ مسلم امیدوار میدان میں ہوں تو اُس امیدوار کو ووٹ دیں جس کی پارٹی مسلمانوں کو خاطر میں لاتی ہو اور انھیں صرف بیوقوف بنانے کے لیے ووٹ نہ لے لیتی ہو۔ اب بہت ہو گیا' تقریباً 25 سال سے یوپی کی علاقائی پارٹیاں مسلمانوں کے ووٹ اپنے درمیان بانٹتی رہی ہیں' اس سے جگہ جگہ مسلمانوں کی اہمیت بھی گھٹ جاتی ہے اور اسمبلی میں مسلم ممبران کی تعداد بھی۔ لہٰذا مسلمانوں کو 2 عزم کرنے ہیں ایک تو 100% مسلمان ووٹ ڈالیں گے، خاص طور پر عورتیں ضرور نوٹ فرمالیں۔ براہ کرم ووٹنگ کے دن کو عید کی طرح مانئے بہت پہلے سے اس کی تیاری شروع کر دیجئے۔ دوم' مسلمانوں کو بہت پہلے سے پلاننگ کر کے سوچ سمجھ کے یکجا ہو کے ملت کے مفاد میں ایک ہی مسلم امیدوار کو ووٹ دینا ہے۔ قابل مبارکباد ہیں بھوجی پورہ' تلسی پور' کٹھور' میرگنج' علی گڑھ' لکھنؤ (کچھوچھی)' الہ آباد (دکھنی) اور دیدار گنج کے ووٹر جنھوں نے پچھلے الیکشن میں ملت کی معقول نمائندگی کا خیال رکھا۔ دوسری طرف ٹھاکردوارہ' قیصرگنج' بجنور' نان پارہ' نواب گنج' میرٹھ کینٹ' پرچندپور' آنولہ' کٹرہ بازار' روہانیہ اور فاضل نگر کے ووٹروں کو اپنے پچھلے رکارڈ پر نظرِ ثانی کرنی ہوگی تاکہ اب کی بار وہ اپنے یہاں سے ملت کی نمائندگی کو یقینی بنا سکیں۔ خاص کر مسلم مخالف فتنہ انگیز نیتاؤں اور ان کے علاقوں وانتخابی حلقوں میں ان کی پارٹی کے امیدواروں کو تو ہر صورت میں بری طرح ہرانا ہے۔ آزادی کے 70 برس بعد ہونے والے 2017 کے الیکشن میں مسلمانوں کو اب یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ آخر ہم اور کب تک اپنی نمائندگی دوسروں سے (Outsource) کرواتے رہیں گے' کیا ہم ہی نے یہ نیکی کئے جاتے رہنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے' جبکہ ہم سچر کمیٹی کی رپورٹ اور اس کے بعد کے حالات کے ذریعہ جان چکے ہیں کہ مستقل ہمارے حقوق کی پامالی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ جان لیجئے کہ ملت میں اندرونی انتشار پیدا کرنے کی بھی چوطرفہ کوششیں چل رہی ہیں لیکن ہم سمجھدار ہیں اور اب ہم اس خفیہ سازباز کا شکار نہیں بنیں گے۔ میری درخواست ہے کہ اس مضمون کی نقلیں اہل فکر کو دستیاب کی جائیں اور گروپ میں بیٹھ کر اسے پڑھا جائے اور اس پر گفت وشنید ہو۔

ملک میں ملت کے حق میں ہمیں خوش نما انقلاب لانا ہے' اپنا کھویا ہوا دستوری مقام ہمیں واپس حاصل کرنا ہے۔ اچھی بات ہے کہ ہندوستان کے لوگ یوگا کے ذریعہ یکجا کئے جا سکتے ہیں تو نماز بھی تو انھیں جوڑ سکتی ہے۔ اگر کسی جمہوری ملک کی پارلیمنٹ و اسمبلیوں میں ایک مذہب کے ماننے والے 70 سال تک اپنی نمائندگی کسی دوسرے مذہب کے لوگوں کے ذریعہ ہی کرواتے رہیں تو اس کو جمہوریت کی خستہ حالی سمجھا جانا چاہئے۔ یہ جمہوریت کی فضیلت نہیں بلکہ ایک طبقہ میں غلامانہ ذہنیت کی کاشتکاری ہے۔ 2017 کے اسمبلی الیکشن کے لئے مسلمانوں کو اپنے مفاد میں معیاری منشور بھی تیار کر دینا چاہئے۔ اگر ریزرویشن کی مانگ کی تو یوپی کے ماضی کی طرح اب بھی ہوگا تو کچھ بھی نہیں' ہاں اس کی مخالفت میں فریق ثانی کی قطبیت (Polarization) میں شدت پیدا ہو جائے گی اور وہ ہمارے لئے نقصاندہ ہے۔ ریزرویشن کے علاوہ بھی بہتیرے ایشوز ہیں جن کا ذکر میں ان شا اللہ اپنے آئندہ کے مضمون میں کروں گا۔ فی الحال یہ غور کرنا ضروری ہے کہ آخر کب تک ہم غلامی کرتے رہیں گے' اگر ہم سوچی سمجھی تدبیریں کریں گے اور اپنے اندر ذوق یقین پیدا کر لیں گے تو ضرور ہماری زنجیریں کٹ جائیں گی' ورنہ حریف مخالف کی ترکیبیں کامیاب ہوتی رہیں گی اور ہم اب بھی نہیں سمجھ پائیں گے کہ' بقول اقبال وہ:

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

Published in 11 Aug-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

یوپی اسمبلی الیکشن کیلئے مسلم منشور

نظریہ .... **ڈاکٹر سید ظفر محمود**

سچر کمیٹی کو اُس وقت کی مرکزی حکومت نے 2005 میں وزیراعظم کی اعلیٰ سطحی کمیٹی کے نام سے متعین کیا تھا' اس کمیٹی کے نام میں ہی شامل تھا کہ اس کا کام ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی سماجی' اقتصادی اور تعلیمی سطح کو معلوم کرنا اور اگر وہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں کم پائی جاتی ہے تو ایسے طریقے تجویز کرنا جن سے مسلمانوں کو اوپر اٹھا کے سب کے برابر لایا جا سکے۔ سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ 17 نومبر 2006 کو وزیراعظم کو پیش کردی تھی جس کے باب 8 میں بتایا تھا کہ ہمارے ملک کے شہروں میں رہنے والے مسلمانوں میں سے 38 فیصد غریبی کی لائن سے نیچے ہیں اور گاؤں میں رہنے والے مسلمانوں میں سے 27 فیصد غریبی کی لائن سے نیچے ہیں اور صوبہ وار تفصیل میں کمیٹی نے بتایا تھا کہ یوپی میں تمام غریب لوگوں میں سے 23.6 فیصد مسلمان ہیں جبکہ صوبہ میں اُن کی آبادی 18.5 ہے۔ صفحہ 171 پر وہ بھی بتایا گیا کہ یوپی میں مسلمانوں کی آبادی 18.5 فیصد ہونے کے باوجود سرکاری محکموں برائے ٹرانسپورٹ' صحت اور ہوم (پولیس وغیرہ) میں مسلمانوں کی نمائندگی صرف 3.7 فیصد ہی ہے اور صوبائی پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ کی جانے والی تمام سرکاری بھرتیوں میں مسلمانوں کی اوسط نمائندگی صرف 3.1 فیصد ہی ہے (صفحہ 174)' یعنی مسلمانوں کے جائز حق کے پانچویں حصہ سے بھی کم۔ حالانکہ' رپورٹ کے مطابق' ان بھرتیوں کے لئے انٹرویو میں مدعو کئے جانے والے مسلم امیدواروں کی تعداد گروپ D کے لئے 17.8 فیصد تھی اور گروپ A کے لئے 13.4 فیصد۔

بہرحال سچر کمیٹی نے جو رپورٹ دی تھی اس کو پورے ملک نے مانا ہے اور کسی نے اس میں کوئی خامی نہیں نکالی جبکہ رپورٹ کو منظرعام پر آئے ہوئے 10 برس ہو گئے۔ اس کے مطابق نومبر 2006 میں سچر رپورٹ پیش ہوتے وقت یوپی میں تقریباً ہر پہلو سے مسلمان دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں بے انتہا پچھڑے ہوئے تھے اور سرکاری اسکیموں کا ان کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا۔ آج کی تاریخ میں جو بھی تھوڑے بہت اعداد و شمار یوپی و مرکز کی سرکاری ویب سائٹوں پر موجود ہیں ان کے مطابق بھی 2005 کے مقابلہ میں متناسب بہتری لانے کے لئے مزید ادارہ ساز کوشش کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کی صورت حال کے مدنظر مغربی بنگال میں سچر رپورٹ کی روشنی میں مسلمانوں کے حالات حاضرہ کا جائزہ لینے کے لئے اور وہاں مسلمانوں کی سماجی' اقتصادی و تعلیمی حالت کی تازہ تحقیق کرنے کے لئے جون 2014 میں 200 اسکالرس نے 97,017 مسلم خاندانوں کا تفصیلی سروے کیا تھا جس کی بنیاد پر انھوں نے رپورٹ پیش کی جسے SNAP & Guidance Guild نے شائع کیا اور جس کا اجرا نوبل انعام یافتہ امرتیہ سین نے کیا۔ رپورٹ کے مطابق 19.52% مسلمان اب بھی ناخواندہ ہیں اور مسلمانوں میں صرف 1.86% پوسٹ گریجویٹ ہیں۔ جن خاندانوں کا سروے کیا گیا ان میں سے 20% یعنی 19,419 گھرانوں میں ایک بھی پڑھا لکھا مسلمان نہیں ملا۔ اسی طرز پر مہاراشٹر میں مسلمانوں کی تازہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے اُس وقت کی صوبائی حکومت نے محمود الرحمٰن کمیٹی قائم کی تھی جس کی رپورٹ 2013 میں پیش ہوئی تھی۔ بیماری کا علاج کرنے کے لئے پہلے اُس کا تجزیہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

بہرحال سچر کمیٹی نے جو رپورٹ دی تھی اس کو پورے ملک نے مانا ہے اور کسی نے اس میں کوئی خامی نہیں نکالی جبکہ رپورٹ کو منظرعام پر آئے ہوئے 10 برس ہو گئے۔ اس کے مطابق نومبر 2006 میں سچر رپورٹ پیش ہوتے وقت یو پی میں تقریباً ہر پہلو سے مسلمان دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں بے انتہا پچھڑے ہوئے تھے اور سرکاری اسکیموں کا ان کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا۔

صوبہ یوپی کے مسلمانوں کو بھی اب چاہئے کہ سیاسی جماعتوں سے اصرار کریں کہ وہ 2017 کے الیکشن سے قبل اپنے منشور میں لکھ کر وعدہ کریں کہ نئی حکومت بننے کے تین ماہ کے اندر ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی بنائی جائے گی جو اگلے ایک برس میں اپنی رپورٹ پیش کر دے گی دستاویزی طور پر یہ بتاتے ہوئے کہ تمام دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں یوپی میں مسلمانوں کی موجودہ اقتصادی' سماجی اور تعلیمی سطح کیا ہے اور اگر وہ پیچھے ہیں تو ان کی نچلی سطح کو سدھارنے کے لئے حکومت کو کیا اقدام کرنے چاہئیں۔ اس رپورٹ کی روشنی میں ضروری اسکیمیں صوبائی سطح پر بنائی جائیں اور ان کا نفاذ کیا جائے۔ اس صوبائی کمیٹی کو وہی فرمانِ تولیت (Mandate) دیا جانا چاہئے جو سچر کمیٹی کو دیا گیا تھا۔ کمیٹی کا صدر سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج کو بنایا جائے اور اس میں اقتصادیات' سماجیات' تعلیم' پلاننگ' اسٹیٹسٹکس اور انتظامیہ کے قومی سطح کے ماہرین کو ممبر بنایا جائے۔ نئی حکومت بننے کے 15 ماہ کے اندر کمیٹی کی سفارشوں پر عمل شروع ہو جانا چاہئے۔ ساتھ ہی سچر کمیٹی کی سفارشوں پر عمل کی ماہوار داستان ہر صوبائی محکمہ و شعبہ کی ویب سائٹ پر دکھائی پڑنی چاہئے۔ فی الحال تو مارچ 2009 میں یوپی کے چیف سکریٹری کے دستخط سے جاری کردہ شعبہ وار خطوط کی نقلیں صوبائی ویب سائٹ پر موجود ہیں جن میں ہدایت دی گئی تھی کہ تمام ترقیاتی اسکیموں و پرجیکٹوں کے نفاذ میں خیال رکھا جائے کہ اس کا 20 فیصد فائدہ اقلیتوں کو پہنچے' لیکن 2009 سے 2016 کے دوران اس ہدایت پر عمل کیا اور کتنا ہوا اس کی مکمل تفصیل صوبائی محکموں یا شعبوں کی ویب سائٹ پر نہیں دی ہوئی ہے۔

اس صورت حال کے مدنظر 2017 میں جیتنے والی پارٹی کو مسلمانوں کی طرف مخصوص توجہ دینی ہوگی۔ مثلاً اقلیتوں کے لئے مرکزی ایم ایس ڈی پی منصوبوں (MSDP Schemes) کے فنڈ کی تقسیم کے لئے بلاک کو اکائی بنائیں نہ کہ ضلع یا ڈویژن کو۔ اقلیتی منصوبوں کو نافذ کرنے کے لئے ہر بلاک میں اقلیتی بہبود افسر کی خصوصی پوسٹنگ کریں۔ مظلوم مسلمانوں خاص طور پر بیواؤں اور غریب مردوں اور عورتوں کے لئے بی پی ایل کارڈ جاری کریں۔ بی پی ایل کارڈ والوں' بیواؤں اور غیرز میں داروں کے لئے بینک لون میں سہولت پیدا کریں۔ ان کے بچوں کو میٹرک تک مفت تعلیم مہیا کریں۔ بھاری اقلیت والے ہر وارڈ اور بلاک میں اسکول اور آئی ٹی آئی قائم کریں۔ میونسپل علاقہ کے وارڈ لیول پر مسلم اقلیت والی جھگی جھونپڑیوں اور بستیوں کی شناخت کریں' وہاں پر ترقیاتی منصوبوں کو نافذ کریں جن میں اسکول' بینک اسپتال قائم کرنا پبلک ٹوائلٹ و سڑکیں بنوانا' لائٹیں لگانا اور پینے کے پانی کی سپلائی شامل ہو۔ کم آمدنی والے لوگوں کے لئے ہاؤسنگ منصوبوں میں مسلمانوں کو ہر بلاک میں ان کی آبادی کے تناسب سے مکانوں کے الاٹمنٹ کا کوٹا طے کریں۔ شہری ترقی کے متاثرہ زمینی نقصان اٹھانے والوں کو اُسی منصوبے میں مکانات فراہم کریں۔ بہرائچ شہر سے 14 کلومیٹر پر ماہسی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی زمین پر تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لئے مالی تعاون اور تگ و دو کریں' اس سے ترائی' اودھ اور پروانچل کے لوگوں کی تعلیمی سطح کو اونچا اٹھانے میں مدد ملے گی۔

یوپی پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ کرائے جانے والے تمام امتحانات میں فارسی و عربی کو اختیاری مضمون کے طور پر اجازت دیں۔ ریاستی پبلک سروس کمیشن کے امتحانوں میں شمولیت کے لئے مدرسہ کی ڈگری کو مستحق مان لیا جائے جیسا کہ سچر کمیٹی نے سفارش کی ہے۔ ریاستی تعلیمی بورڈ یا سی بی ایس ای کے ساتھ انضمام (Coordination) کے ساتھ مدارس میں جدید مضامین کے اساتذہ فراہم کئے جائیں جیسے کمپیوٹر' ریاضی' سائنس و معاشرتی علوم۔ مسلمانوں کے لئے ہر ضلع ہیڈ کوارٹر میں اسٹڈی سینٹر بنائیں جہاں انھیں کیریر کی منظم رہنمائی اور لائبریری کی سہولتیں حاصل ہوں۔ مسلم اکثریت والے علاقوں میں ہنرمندی کو فروغ دینے والے مراکز قائم کئے جائیں۔ ہنرمند مزدوروں اور چھوٹے و درمیانی سطح کے کارخانوں کے لئے مخصوص دیکھ بھال کے منصوبے بنائے جائیں۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں سیلف ہیلپ گروپوں کی تشکیل کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جو وقف جائدادیں سرکاری تحویل میں ہیں انھیں فوراً خالی کیا جائے اور انھیں وقف بورڈ کے سپرد کیا جائے ورنہ ان کا کرایہ موجودہ بازاری ریٹ سے دیا جائے اور اسی طرز پر بقایہ بھی ادا کیا جائے۔ تحصیل و پنچایت سطح پر چھوٹے دکانداروں کے لئے بینکوں کے لئے قرض کی سہولت مہیا کی جائے۔ اس طرح یوپی کے مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی میراث واپس لے لینی چاہئے۔ شکست پسندی اور غلام بنے رہنے کی فطرت چھوڑ دینی چاہئے۔ اب 2017 سے انھیں اپنی ساخت میں بہتری لانی چاہئے اور یہ سب بہت آسانی سے ممکن ہے' انھیں اپنی تقدیر کا فیصلہ خود اپنے ہاتھ میں لے لینا ہوگا۔

روزنامہ
میرا وطن

علی گڑھ میں مجھے کیا کیا ملا!

ڈاکٹر سید ظفر محمود

میرے ابا جان سید محمود حسن صاحب ایڈووکیٹ مرحوم و مغفور نے 1930 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کی تھیں اور انھوں نے ہم بھائیوں کو بھی وطن عزیز بہرائچ (یوپی) میں 12 ہواں درجہ پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے 1977-1963 کے دوران علی گڑھ ہی بھیجا۔ ہماری ذوی القربا (Extended family) کی اگلی نسلوں میں بھی متعدد بچوں نے علی گڑھ سے استفادہ کیا اور اب بھی کر رہے ہیں، ملک میں یہ گھر گھر کی بات ہے۔ میرے تایا ذات بڑے بھائی سید ذکی حسن انیس مرحوم و مغفور ہم سب سے بڑے تھے۔ گورنمنٹ انٹر کالج، بہرائچ سے میرے ذریعہ 1967 میں یوپی بورڈ سے بارہویں جماعت پاس کرنے پر گھر میں گفت وشنید شروع ہوئی کہ علی گڑھ میں آگے مجھے کیا پڑھنا چاہیے۔ میں اس بات چیت میں برابر سے شریک رہتا تھا۔ انیس بھائی کی رائے مانتے ہوئے، فیصلہ کے مطابق اسی سال ابا جان نے مجھے علی گڑھ میں بی ایس سی (آنرز) میں داخلہ دلوایا۔ کلاس روم میں لیکچر کے دوران پروفیسر شفیع صاحب آئنسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹوٹی کی زمینی و آسمانی مثال دیتے تھے کہ جب حضور اقدس معراج سے واپس تشریف لائے، تو ان کے گھر کی کنڈی اب بھی ہل رہی تھی، یعنی کہ زمین میں ہم جسے پانچ سکنڈ سمجھتے ہیں، اس وقفہ کے دوران اللہ کی کائنات میں تمام آسمانوں کا لق ودق سفر ممکن ہے۔ بی ایس سی آنرز کے دو کلاس فیلوز محمد آفاق مرحوم اور جاوید علی کے ساتھ وہ ہم نشینی کے تعلقات آگے زندگی میں رشتہ داری میں تبدیل ہو گئے، بعد میں وہ دونوں میرے ہم زلف بن گئے۔ دھیریندر گپتا، امتیاز الحق، حیدر حسین، سید محمد خالد سے اب بھی اسی طرح دوستانہ مراسم ہیں۔

دریں اثنا، میری سمجھ میں آنے لگا کہ اگر یوپی ایس سی کے سول سروسز کے امتحان میں بیٹھنا ہے، تو سوشل سائنس فیکلٹی کا رخ کرنا چاہیے۔ گرمی کی چھٹیوں میں دوبارہ بہرائچ میں اندرون خانہ اس موضوع پر گفت وشنید ہوئی اور ابا جان نے فراخ دلی سے میری تجویز کو مان لیا۔ علی گڑھ واپس جا کر میں پولیٹیکل سائنس کے ہیڈ پروفیسر حقی صاحب مرحوم و مغفور کے پاس حاضر ہوا اور ان سے ایم اے میں داخلہ کے لیے خواہش ظاہر کی، تو انھوں نے برجستہ بہت مشفقانہ جواب دیا: "ہم پہلے ہی سوچتے تھے کہ تم پڑھے لکھے لوگ کہاں وہاں سائنس میں پھنسے ہو"۔ ایم اے کے دوران پروفیسر ناصر علی مرحوم و مغفور جب لیکچر دیتے تھے، تو گویا پھول کھلتے تھے۔ جب ڈپارٹمنٹ کی گیلری میں طلبہ انھیں سلام کرتے تھے، تو ہر ایک کو مسکرا کے جواب دیتے تھے۔ ٹونک، راجستھان کے مشہور وکیل اور ملی خدمات میں قومی شہرت یافتہ منظور عالم صاحب مرحوم و مغفور کی بیٹی عذرا میری کلاس فیلو تھیں۔ کسی ضرورت سے ایک تحریری درخواست لے کر وہ ناصر صاحب کے پاس گئیں، تو انھوں

> **میں علی گڑھ میں آفتاب ہال کے میکڈانل ہوسٹل میں رہتا تھا، واجد بھائی ہمارے وارڈن تھے۔ بہت شفقت کرنے والے بڑے بھائی کی طرح پیش آتے تھے۔ بعد میں اکنامکس کے ڈاکٹر ظہیر عرف گاما بھائی وارڈن بنے۔ وہ بے انتہا مزاحیہ انسان ہیں۔ خالد ریاست ہاؤس مانیٹر تھے۔ گاما بھائی گرمی کی دوپہر میں ڈپارٹمنٹ سے لوٹے، تو ان کے پاس افریقہ کا ایک لڑکا اپنی کچھ شکایت لے کر آیا۔ وہ خالد سے بولے، "یار خالد اس سے کہہ دو کہ اس وقت ہم بہت تھکے ہیں، انگریزی نہیں بول سکتے"۔**

نے درخواست پڑھ کے پوچھا، "کیا ظفر محمود سے لکھوا کے لائی ہو؟" جس کا انھوں نے مثبت جواب دیا۔ عذرا کی بھی کلاس میں پوزیشن آئی تھی، لیکن غالباً اپنا سکریٹری سمجھ کے انھوں نے درخواست مجھ سے ڈرافٹ کروائی تھی۔ پروفیسر اے پی شرما تعلیمی قابلیت کے ساتھ ساتھ بڑے منکسر و خوش مزاج استاد تھے، کلاس کی ٹیچنگ کے دوران انھوں نے ٹیچو پر خوب قصے سنائے۔

اسی دوران شعبہ انگریزی کے پروفیسر اسلوب احمد انصاری اور سلامت اللہ صاحب نے مجھے تعلیمی سال 73-1972 کے لیے یونیورسٹی انگلش میگزین کا ایڈیٹر بھی بنا دیا اور اپنے ایڈیٹوریل بورڈ کے ساتھ مل کے ہم لوگوں نے آزادی کی سلور جبلی پر میگزین کا مخصوص شمارہ شائع کیا۔ عذرا کی چھوٹی بہن، ناظرہ بعد میں ایم اے انگلش میں آ گئیں اور یونیورسٹی میگزین کے میرے ایڈیٹوریل بورڈ میں ان کا تعین جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے ہو گیا۔ میگزین پروان چڑھی اور یونیورسٹی ترانہ میں مجاز کی پیشین گوئی بھی رنگ لائی۔ ناظرہ اس زندگی اور اگلی زندگی کے لیے الحمدللہ میری منظور نظر و شریک حیات بن گئیں۔ ہم دونوں نے بعد میں (علی گڑھ میں 84-1981 کے دوران محکمہ انکم ٹیکس کے ہیڈ کے طور پر میری پوسٹنگ کے دوران) یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی مکمل کرلی، بلکہ ناظرہ نے یہ کام شروع کیا، تو میں نے بھی جلدی کی کہ کہیں ان سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔ ہندوستان میں و بیرون ملک متعدد یونیورسٹیوں میں پڑھانے کے بعد انھوں نے دہلی میں گاڈس گریس کے نام سے تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں، جن کے انتظامیہ کی وہ سربراہ ہیں۔ ایم اے کے دوران میں سیمینار سکریٹری بھی بنایا گیا، معزز استاد ڈاکٹر ہاشم قدوائی صاحب نے ازراہ عنایت اپنے کمرے کی کنجی بھی مجھے دے رکھی تھی۔ پروفیسر ابوالفضل عثمانی، پروفیسر توفیق احمد نظامی، پروفیسر علی محمد جعفری سے میں نے بہت سے سبق لیے۔ محبوب میاں ہماری کینٹین کے انچارج تھے، گرین لیبل کی بڑی عمدہ چائے بناتے تھے۔

ایم اے کی ڈگری کے ساتھ یونیورسٹی نے اول پوزیشن حاصل کرنے کے لیے مجھے گولڈ میڈل سے نوازا۔ دوسری پوزیشن والے احمد سعید خاں اور میں، بعد میں ایک ساتھ ہی سول سروز میں کامیاب ہوئے اور وہ آئی پی ایس سے ریٹائر ہو کر دہلی میں مستقل قیام پذیر ہیں۔ حسین احمد صدیقی دہلی میں وکالت کر رہے ہیں، ونیج شرما بریڈفورڈ میں چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ کے طور پر برطانوی شہری ہیں۔ ان کی بہن واجدہ نے گزشتہ 40 برس میں مجھے رکشا بندھن پر راکھی باندھنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔

میں علی گڑھ میں آفتاب ہوسٹل کے میکڈانل ہوسٹل میں رہتا تھا، واجد بھائی ہمارے وارڈن تھے۔ بہت شفقت کرنے والے بڑے بھائی کی طرح پیش آتے تھے۔ بعد میں اکنامکس کے ڈاکٹر ظہیر عرف گاما بھائی وارڈن بنے۔ وہ بے انتہا مزاحیہ انسان ہیں۔ خالد ریاست ہاؤس مانیٹر تھے۔ گاما بھائی گرمی کی دوپہر میں ڈپارٹمنٹ سے لوٹے، تو ان کے پاس افریقہ کا ایک لڑکا اپنی کچھ شکایت لے کر آیا۔ وہ خالد سے بولے، "یار خالد اس سے کہہ دو کہ اس وقت ہم بہت تھکے ہیں، انگریزی نہیں بول سکتے"۔ دیر رات کو ٹیلر رز روڈیشن کے لکھنؤ جانے کے لیے ہم لوگ گاما بھائی کو لکھنؤ میل پر پہنچانے گئے۔ بے حد بھیڑ دیکھ کر وہ بولے، "ارے بھئی، ہم تو کام سے جا رہے ہیں، یہ سب پتہ نہیں کہاں جا رہے ہیں"۔ علی گڑھ میں عید کے دن ہوسٹلوں کے طلبہ پرووسٹ کے یہاں عید ملنے جاتے تھے، تو وہ ان کی خاطر سیویاں و کباب وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ جب اکنامکس کے پروفیسر پی سی بینرجی آفتاب ہال کے پرووسٹ بنے، تو عید پر کوئی لڑکا ان کے یہاں نہیں گیا۔ تقریباً بارہ بجے وہ خود چاروں ہوسٹلوں میں آئے اور سب کو بہت ڈانٹا کہ ہم نے سیویاں، کباب، دہی بڑے بنوا کے رکھے ہیں، تم لوگ عید ملنے کیوں نہیں آئے؟ تو ہم سب غول کے غول ان کے یہاں عید ملنے گئے۔

سال 2007 میں وزیر اعظم کی اعلیٰ سطحی کمیٹی میں افسر بکار خاص کے طور پر کام پورا کرنے کے چند برس بعد ہی میں نے حکومت ہند کی افسری کو خیر باد کہہ دیا۔ تبھی علی گڑھ سے پروفیسر صاحبان بڑی محبت سے میرے پاس دہلی تشریف لائے اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے پینل میں میرا نام شامل کرنے کے لیے میری ایما چاہی، تو میں نے دست بستہ عرض کیا کہ ایک تو میں ہرگز اس لائق نہیں اور دوم میں نے ان کی نذر علامہ اقبال کے یہ اشعار کیے:

کیا میں نے اُس خاکداں سے کنارہ
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

ملک و دنیا میں مجھے متعدد دفعہ سابق طلبہ کی تنظیموں کے ذریعہ منعقد کردہ 'سر سید ڈے' و دیگر پروگراموں میں خطاب کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے خصوصاً یہی عرض کیا کہ مادر درسگاہ سے ذاتی فائدہ اٹھانے کے بعد ہم میں سے ہر ایک کو سر سید کی دھرو ہر لوٹانی بھی تو ہے۔ لہٰذا، دہلی میں ہماری ذاتی رہائشی جائداد 1996 سے تنظیم کے حق میں منتقل ہو کے اسکول میں تبدیل ہو گئی۔ علی گڑھ میں میری زمین فروخت ہو کے وہ رقم دہلی میں دوسرے تعلیمی ادارہ کے قیام اور اس کی نشو ونما میں لگ گئی۔ اس اسکول میں عید و بقر عید کی نماز کا انتظام بھی کیا جاتا ہے، جس میں یتیم خانوں کے بچے اور برما، میانمار کے مہاجرین کی مخصوص پذیرائی کی جاتی ہے۔ بہرائچ میں ہماری آبائی کوٹھی 'محمود حسن ہاؤس' اب 'زکوٰۃ ہاؤس' بن چکی ہے، جہاں 'ہیپی ہوم' کے نام سے ایک یتیم خانہ چل رہا ہے اور جائداد کے بڑے حصہ میں حکومت سے رکگنائزڈ ہنر مندی کے فروغ کا سنٹر (Skill Development Centre) بن گیا ہے۔ دہلی میں 1997 سے میرے ذریعہ قائم کردہ 'زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا' نام کی رجسٹرڈ تنظیم الحمدللہ بہت متحرک ہے، جس کے تحت 'ہیپی ہوم' کے نام سے تین یتیم خانے قائم کیے گئے: ایک لڑکیوں کا اور دو لڑکوں کے، اور وہ خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں۔ فاؤنڈیشن کے تحت 2008 سے 'سر سید کوچنگ اینڈ گائڈنس سنٹر فار سول سروسز' قائم ہے اور اب تک اس کے ذریعہ 76 طلبہ و طالبات سول سروسز کے امتحان میں کامیاب ہو کر حکومت کے اعلیٰ عہدے جوائن کر چکے ہیں۔ سال 2012 سے فاؤنڈیشن کے تحت 'دار الہجرت' کے نام سے برما، میانمار کے 200 پناہ گزیں مہاجرین کے لیے رہائشی سہولت قائم ہے۔ ان کے 66 بچوں کو پاس کے اسکول میں تعلیم بھی دلوائی جا رہی ہے۔ سال 2013 سے فاؤنڈیشن کے تحت 'اصحاب الصفا' کے نام سے منصوب ائما و خطبا کے لیے انسٹی ٹیوٹ قائم ہے۔ کشمیر میں لائبریری، ریڈنگ روم اور خواتین کے لیے کڑھائی بنائی کا سنٹر چل رہا ہے۔ دہلی کے بوانہ علاقہ میں بھی لڑکیوں کے لیے سلائی کڑھائی سنٹر چل رہا ہے۔ وہاں کثیر تعداد میں مسلمان مزدور طبقہ رہائش پذیر ہے۔ اس لیے 2006 سے وہاں مسجد فاطمہ بھی قائم کر دی گئی ہے۔ پنج وقتہ و جمعہ کی نماز کا معقول انتظام ہے اور مدرسہ بھی چل رہا ہے۔ فی الوقت مسجد کی تعمیر نو و توسیع ہو رہی ہے۔ آیئے، آپ بھی ان کار ہائے خیر میں شامل ہو کر سر سید علیہ الرحمۃ کی روح کو ثواب پہنچایئے۔ □

سید کی لوحِ تربت

اے کہ تیرا مرغ جاں تارِ نفس میں ہے اسیر
اے کہ تیری روح کا طائر قفس میں ہے اسیر
اس چمن کے نغمہ پیراؤں کی آزادی تو دیکھ
شہر جو اجڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو دیکھ
فکر رہتی تھی مجھے جس کی وہ محفل ہے یہی
صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی
سنگِ تربت ہے مرا گرویدۂ تقریر دیکھ
چشمِ باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ
مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
وانہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دُکھ جائے تری تقریر سے
محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اَب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ
تو اگر کوئی مدبّر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے
بندہ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے
ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم
پاک رکھ اپنی زباں، تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو!
سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

(علامہ اقبال)

Published in 03 Nov-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

رہنما اصولوں کی دستوری درجہ بندی

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

دستور ہند' پارٹ IV کے 17 دفعات میں جو 25 رہنما اصول(Directive Principles) دیے ہوئے ہیں ان میں سے ہرایک کے شروع میں مختلف اقسام کے الفاظ قصداً استعمال کئے گئے ہیں،جس سے یہ طے ہوتا ہے کہ دستور ساز اسمبلی نے کس رہنما اصول کی کتنی شدت(Intensity) طے کی ہے اوراُس کا ترجیحی مقام(Priority) کیاہے۔اس میزان پران 25 رہنما اصولوں کومندجہ ذیل ڈھلتے ہوئے ترتیب وار 9 درجہ بند زمروں یا کیٹگریوں (9 categories in descending order)میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔یاد رہے کہ ان رہنما اصولوں کا مکتوب الیہ (Addressee) ہے اسٹیٹ(State) اور آرٹیکل 12کے مطابق''اسٹیٹ'' میں مرکزی' صوبائی حکومتیں' پارلیمنٹ واسمبلی شامل ہیں۔رہنما اصولوں کے زمرہ نمبر1 میں آتا ہے آرٹیکل 47 کا پہلا حصہ جس کے شروع کے الفاظ ہیں The State shall regard among its primary duties یعنی حکمراں لوگ اپنی اولین ڈیوٹی سمجھ کر لوگوں کی زندگی' غذائیت وصحت یابی کی سطح کو اونچا اٹھائیں گے۔ زمرہ نمبر 2میں آرٹیکل 46 آتا ہے جس میں حکومت کی ذمہ داری عائد کرنے کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں The State shall promote with special care یعنی حکمرانوں کی ڈیوٹی ہے کہ کمزور طبقوں کے تعلیمی و اقتصادی مفادات کوخصوصی توجہ کے ساتھ فروغ دیں اوران لوگوں کوسماجی ناانصافی وہرطرح کے استحصال سے محفوظ رکھیں۔زمرہ نمبر 3 میں آتا ہے آرٹیکل 39(a),(b),(c) جس میں شروع کے الفاظ ہیں The State shall direct its policy یعنی ملک کے حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی پالیسی کی اس طرح تشکیل کریں کہ (a) مرد اور عورت شہریوں کومناسب زندگی گزارنے کابرابر کا موقع ملے' (b) ماڈی وسائل (Material resources) کی ملکیت اوران پر کنٹرول کوملک کےلوگوں میں اس طور سے تقسیم کیا جائے کہ جس سے مفاد عامہ(Common good) کوفروغ ملے نہ کہ صرف چندلوگوں کے مفادکواور(c) ملک کا اقتصادی سسٹم ایسا ہوکہ اس سے ملک کی دولت اور کارخانے صرف چندافراد کے ہاتھوں میں سمٹ کے نہ رہ جائیں۔

رہنما اصولوں کے زمرہ نمبر4 کےتحت آرٹیکل39A آتا ہے جس میں شروع کے الفاظ ہیں The State shall secure یعنی حکمرانوں کی ڈیوٹی ہے کہ مفت قانونی مدد کی اسکیمیں بنائیں تاکہ کسی بھی شہری کوانصاف حاصل کرنے کے لئے دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔زمرہ نمبر5 میں آرٹیکل49 آتا ہے جس کے الفاظ ہیں It shall be the obligation of the State یعنی حکمرانوں کا یہ فریضہ ہے کہ ہراس قدیمی عمارت واثاثہ کوجسے پارلیمنٹ قومی اہمیت کاقرار دے' اسے خراب وبرباد ہونے' فروخت ہونے یا ملک سے باہر جانے سے محفوظ رکھے۔زمرہ نمبر6 کےتحت آتے ہیں آرٹیکل 41 اور 42 جن کے شروع میں الفاظ استعمال ہوئے ہیں The State shall make provision یعنی حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کوحق دلائیں(i) کام کرنے کا'(ii) تعلیم کا اور (iii) بے روزگاری' بڑھاپے' بیماری ومعذوری میں سرکاری امداد کا۔ساتھ ہی یہ بھی سرکاری ذمہ داری ہے کہ (iv) روزگار کے دوران ہمدردانہ ومشفقانہ ماحول قائم رہے اور(v) زچگی کے لئے خواتین کومناسب امداد بھی ملے۔زمرہ نمبر 7 میں چار آرٹیکل آتے ہیں 40,43A,48(ii),50 جن کے الفاظ ہیں The State shall take steps یعنی حکمرانوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اس کا انتظام کریں کہ (i) گاؤں میں خودمختار پنچایتیں بنیں'(ii) کارخانوں کے انتظامیہ میں مزدوروں کی حصہ داری ہو'(iii) زراعت اور جانور پالنے کا ماڈرن سائنسی بندوبست کیا جائے' گائے اوردیگر دودھ دینے والے اوروزن اٹھانے والے جانوروں کے ذبیحہ پر پابندی لگائی جائے اور (iv) حکومت کی عوامی خدمات میں عدلیہ اورانتظامیہ کوایک دوسرے سے الگ رکھا جائے۔

> **اگر عوام کا ایک بڑا طبقہ کسی رہنما اصول کو پسند نہیں کر تا ہے تو اس کو زبردستی نافذ کرنا دستورکی روح اور اس کے ڈھانچہ کو چوٹ پہنچانا ہے۔ کسی رہنما اصول کا استعمال حکومت وقت کے ذریعہ اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی پارٹی کا الیکشن میں سیاسی فائدہ ہو' ایسا کرنا دستور کا مذاق اڑانا ہے۔ ویسے بھی یکساں سول کوڈ لانا آسان نہیں ہے' سب سے پہلے تو اس کے ذریعہ ہندو مذہب میں ذات ختم کرنی ہو گی۔**

آخر کے دوزمروں میں شروع کے سات زمروں کے مقابلہ میں کافی مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔زمرہ نمبر8 کےتحت آتے ہیں آرٹیکل (1)38 اور (i)(2)38 جن کے شروع میں الفاظ استعمال ہوئے ہیں The State shall strive یعنی ملکی حکمراں خوب کوشش کریں کہ (i) وہ ملک میں ایک ایسا معاشرہ مہیا کرائیں جس میں سماجی' اقتصادی اور سیاسی انصاف قومی زندگی کے ہرشعبہ میں مؤثر انداز میں سرایت کر جائے اور (ii) مختلف لوگوں کی آمدنی میں کمترین عدم مساوات رہ جائے ۔رہنما اصولوں کے آخری زمرہ نمبر 9 کےتحت آٹھ آرٹیکل رکھے گئے ہیں: ,38(2)(ii),43,44,45,47(ii) 48(i),48A,51 جن کے شروع میں بالکل ہی مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں The State shall endeavour یعنی ملک کے حکمراں 'کوشش کریں' کہ (i) لوگوں کی حیثیت(Status) اوران کے لئے مہیا سہولتوں اورمواقع میں عدم مساوات ختم ہوجائے ۔(ii) زرعی' صنعتی و دیگر کام کرنے والے مزدوروں کوکام ملے اوران کومعقول زندگی' فرصت کے اوقات' سماجی وثقافتی مواقع فراہم ہوں اورگھریلو صنعت کاری کوفروغ ملے'(iii) شہریوں کے لئے ملک گیر پیمانہ پر یکساں سول کوڈ مہیا ہو'(iv) 14 برس کی عمر تک کےتمام بچوں کے لئے مفت ولازمی تعلیم مہیا ہو'(v) شراب نوشی ممنوع قراردی جائے' (vi) زراعت اور جانور پالنے کے لئے ماڈرن سائنسی طریقے اختیار کئے جائیں'(vii) آب و ہوا اورجنگلات وحیوانات کی حفاظت وکفالت کی جائے اور(viii) بین الاقوامی امن وتحفظ کوفروغ ملے' ملکوں کے مابین منصفانہ و باادب تعلقات رہیں' بین الاقوامی قوانین وصلح ناموں کی پاسداری ہواور بین الاقوامی تنازع کا تصفیہ آربیٹریشن سے ہو۔

معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی آسانی سے جان سکتا ہے کہ دستور ساز اسمبلی نے بہت سوچ سمجھ کے رہنما اصولوں کی یہ درجہ بندی9 زمروں(Categories) میں کی ہے،جن میں استعمال شدہ مختلف اقسام کے شروعاتی الفاظ سے طے ہوجاتا ہے کہ کس اصول کو کس پر ترجیح دی جائے۔رہنما اصول وسیلہ ہیں اقتصادی اور سماجی جمہوریت کے فروغ کے لئے اور ان کا مقصد ہے اجتماعی فلاح و بہبود' ماڈی وسائل کی متناسب تقسیم' شراب نوشی کا اختتام اورعوام کواورزیادہ حقداری دینا جبکہ آرٹیکل 37 میں صاف کردیا گیا ہے کہ رہنما اصولوں کونافذ کرنے کے لئے عدلیہ کواختیارنہیں ہے بلکہ اس کے لئے ملک کی نبض کوپہچاننا ضروری ہے۔اگرعوام کاایک بڑا طبقہ کسی رہنما اصول کو پسندنہیں کرتا ہے تواس کوزبردستی نافذ کرنا دستورکی روح اور اس کے ڈھانچہ کو چوٹ پہنچانا ہے۔کسی رہنما اصول کا استعمال حکومت وقت کے ذریعہ اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی پارٹی کا الیکشن میں سیاسی فائدہ ہو'ایسا کرنا دستورکا مذاق اڑانا ہے۔ویسے بھی یکساں سول کوڈ لانا آسان نہیں ہے' سب سے پہلے تو اس کے ذریعہ ہندو مذہب میں ذات ختم کرنی ہوگی۔پھر برہم سوترا1.3.36 کا نفاذ ہندومذہب سے ختم کرنا ہوگا،جس میں صرف دودفعہ جنم لینے کے بعدہی انسان ویدوں کو پڑھ سکتا ہے یعنی کہ شودر اور خواتین وید پڑھ ہی نہیں سکتیں،پھراس ہندو رواج کوختم کرنا ہوگا جس میں ہندولڑکے کو' اُپنایَنا' کرنے کے بعد ہی ویدوں کوپڑھنے کی اجازت ہے اورلڑکیوں کے لئے ایسی بھی اجازت نہیں ہے۔پھر انکم ٹیکس قانون میں ہندوغیر منقسم خاندان (Hindu Undivided Family: HUF) کے لئے ٹیکس میں چھوٹ ختم کرنی ہوگی' وغیرہ۔بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی۔خیراسی میں ہے کہ لاءکمیشن یکساں سول کوڈ پرعوام سے اپنی اپیل واپس لے لے۔

نوٹ: مندرجہ بالا مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کے لیے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

Published in 22 Dec-2016 | Print Edition of Roznama Sahara

داڑھی پرسپریم کورٹ کی آئینی بنچ فیصلہ کرے

نظریہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

سپریم کورٹ نے حال ہی میں دو اہم فیصلے دئے ہیں۔ ایک میں شراب کے ٹھیکوں کو صوبائی وقومی شاہراہوں سے کم ازکم 500 میٹر پر رہنے کا اور شراب کے اشتہاروں اور بینروں کو ان جگہوں سے ہٹادینے کا حکم دیا۔صوبائی چیف سکریٹریوں اور پولیس کے اعلیٰ ترین حکام اس حکم کے نفاذ کے ذمہ دار ہوں گے۔عدالت یہ جان کر بہت نالاں تھی کہ ہر برس ان سڑکوں پر ڈیڑھ لاکھ موتیں ہوتی ہیں۔اس نے حکومتوں سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ شراب کا کاروبار کرنے والے بہت اثر انداز ہیں اور صوبائی حکومتیں ان سے بہت خوش رہتی ہیں۔لیکن ٹیکس جمع کرنے کی غرض سے حکومت کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ شاہراہوں پر شراب کی دکانیں کھلوائیں۔ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ یقیناً خوش آئند ہے اور عدالت قابل مبارکباد ہے کہ اس نے شراب پر پابندی لگانے سے متعلق دستور کے آرٹیکل 47 میں دئے ہوئے رہنما اصول کی پاسداری رکھی۔ ساتھ ہی دوسرے فیصلہ میں سپریم کورٹ نے ملک کے باشندوں کے ایک طبقہ میں بے چینی اور مایوسی کو جنم دیا ہے۔اس نے کہا کہ ملک کے فضائیہ یا ائیر فورس میں ملازمت سے آفتاب احمد انصاری کو 2008 میں ٹھیک نکالا گیا کیونکہ انھوں نے داڑھی منڈوانے سے انکار کردیا تھا۔اس وجہ سے کہ فوج میں یکجہتی اور نظم و ضبط رکھنا بیحد ضروری ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ فوج کے ضابطے انفرادی مذہبی حقوق میں دخل اندازی نہیں ہیں بلکہ نظام افواج درست رکھنے کے لئے ہیں۔ آفتاب نے عدالت سے کہا تھا کہ سکھ مذہب کے ماننے والوں کی طرح انھیں بھی داڑھی رکھ کر ملازمت میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ ملک کی فضائیہ انڈین ائیر فورس نے عدالت کو بتایا تھا کہ سارے مسلمان داڑھی نہیں رکھتے ہیں' ان کے مذہب میں داڑھی رکھنا اختیاری ہے اور عالم اسلام میں داڑھی رکھنے کو ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے ۔ داڑھی رکھنے کی اجازت نہ دینے سے فوجی اکائی کی ہم آہنگی برقرار رہتی ہے اور اس کے گروپ کی پہچان بنتی ہے۔

لیکن فضائیہ نے یہ نہیں بیان کیا کہ اسی یونٹ میں اگر سکھ فوجی الگ دکھتا ہے تو پھر اس اصول کی پامالی کیوں نہیں ہوتی ہے۔فضائیہ نے یہ بھی کہا کہ اسی طرح کی وجوہ کی بنیاد پر مغربی فوجوں نے بھی فوجیوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ جبکہ رواں سال میں ہی ماہ جون کے دوران امریکہ کی فیڈرل کورٹ نے 20 سالہ سکھ امریکی کو داڑھی اور پگڑی دونوں کی اجازت دی تھی یہ کہتے ہوئے کہ فوجیوں کی مذہبی ترجیحات کا احترام کرنے سے فوج کی یکجہتی' ہم آہنگی یا اس کے تئیں عوامی پہچان و اعتبار پر اثر پڑنا بعید از قیاس ہے۔عدالت نے یہ بھی کہا کہ مسلح افواج ریگولیشنس 1964 کے پیرا 425(b) کے مطابق اگر کسی مذہب میں داڑھی منڈوانے کی ممانعت ہے تو اس مذہب کے ماننے والوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت ہوگی۔ اس حوالہ سے پہلے پنجاب و ہریانہ ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ نے آفتاب کے مقدمہ میں فیصلہ دیا کہ اسلام میں داڑھی منڈوانے کی ممانعت نہیں ہے، اس لئے ان کا فیصلہ آفتاب کے خلاف جاتا ہے۔ دوسری طرف برطانوی بحریہ میں داڑھی اور مونچھ دونوں کے رکھنے کی آزادی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی 1980 میں فضائیہ میں مسلمانوں کے بھی داڑھی رکھنے پر کوئی روک نہیں تھی لیکن بعد میں 1999 اور 2003 کے سرکولرس کے ذریعہ مندرجہ بالا ضابطہ جاری ہوا۔ موجودہ امریکی ضابطہ کے مطابق فوج کی پوری کوشش کرنے کی ذمہ داری ہے کہ انفرادی مذہبی ایمان کی پاس داری کی جائے اور کمانڈر صاحبان خصوصی اجازت دے سکتے ہیں کہ فوجی اپنے جسم پر مذہبی نشانیوں کی نمائش کرسکیں۔

وزارت دفاع کے 2003 کے سرکولر کے مطابق ملازمت جوائن کرتے وقت اگر داڑھی تھی تو اسے برقرار رکھا جاسکتا ہے لیکن ملازمت جوائن کرنے کے بعد شروعات کر کے داڑھی نہیں رکھی جاسکتی ہے۔آفتاب نے ملازمت جوائن کرنے کے چار برس بعد داڑھی رکھنے کی اجازت مانگی تھی اور اجازت ملے بغیر ہی داڑھی رکھ لی تھی۔ اسی طرح کی عدالتی عرضداشت ائیر فورس ہی کے محمد زبیر اور مہاراشٹر پولیس کے محمد فصیح نے بھی داخل کر رکھی تھی۔عدالت نے کہا کہ یونیفارم میں ہوتے ہوئے فوج کے ہر فرد کے چہرے کی پہچان اہمیت رکھتی ہے' خاص کر ہمارے ملک میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور تیغ آزمائی کے ماحول میں اس اہمیت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

> **"وزارت دفاع کے 2003 کے سرکولر کے مطابق ملازمت جوائن کرتے وقت اگر داڑھی تھی تو اسے برقرار رکھا جا سکتا ہے لیکن ملازمت جوائن کرنے کے بعد شروعات کر کے داڑھی نہیں رکھی جا سکتی ہے۔آفتاب نے ملازمت جوائن کرنے کے چار برس بعد داڑھی رکھنے کی اجازت مانگی تھی اور اجازت ملے بغیر ہی داڑھی رکھ لی تھی۔ اسی طرح کی عدالتی عرضداشت ائیر فورس ہی کے محمد زبیر اور مہاراشٹر پولیس کے محمد فصیح نے بھی داخل کر رکھی تھی"**

لیکن عدالت نے اس ضمن میں کچھ نہیں کہا کہ 1984 میں اندرا گاندھی کی ہلاکت سے پہلے اور اس کے بعد ملک میں کئی برس تک دہشت گردی اور تیغ آزمائی کا ماحول رہا تھا لیکن اس وقت فوج میں سکھوں کو داڑھی رکھنے سے اور پگڑی باندھنے سے کسی نے نہیں روکا تھا۔ اس وقت کے حالات اور موجودہ منظر نامہ میں وہ کون سا فرق ہے جس کی بنا پر دہرا پیمانہ اپنایا جارہا ہے۔ عدالت نے ان احادیث کی بھی اندیکھی کردی جن میں حضور اقدسؐ نے فرمایا ہے کہ مونچھوں کو چھوٹا کرلو اور داڑھی کو بڑھنے دو(مسلم: ابن عمر 498 & 499' ابو ہریرہ 501)۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سپریم کورٹ اس معاملہ کی مزید تحقیق کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کردے جس میں مسلمانوں کے نمائندے بھی ضرور ہوں اور ان کی سفارشوں کی روشنی میں سپریم کورٹ کی آئینی بنچ (Constitution Bench) حتمی فیصلہ سنائے۔ قابل مبارکباد ہیں آفتاب' زبیر اور فصیح جنھوں نے اپنے دین کے حق میں جہاد کیا۔ مرکزی وزارت فروغ ہنرمندی نے ملک میں ہنرمندی کے مراکز و اداروں کے رجسٹریشن کا کام کئی برس سے مشہور کمپنی آئی ایل ایف ایس (Infrastructure Leasing & Financial Corporation - IL&FS) کے سپرد کر رکھا ہے۔ اس کا شمار ملک کی سب سے بڑی کمپنیوں میں ہوتا ہے اور یہ اس معاملہ میں اپنا کام عرصہ دراز سے بہت مؤثر انداز میں کرتی آرہی ہے۔

●□●

نوٹ: مندرجہ بالا مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔